یکم و ۱۶ ستمبر ۲۰۲۵ء | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | جلد نمبر: ۱۸ ۔ شمارہ نمبر: ۱۷۔۱۸

پندرہ روزہ
معارف فیچر کراچی
MA'ARIF FEATURE

مدیر: سیّد شاہد ہاشمی

نائب مدیران: منعم ظفر خان، محمودالحق صدیقی، نوید نون ۔ معاون مدیران: غیاث الدین، م ع فاروقی

ڈی ۔ ۳۵، بلاک ۔ ۵، فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی ۔ ۷۵۹۵۰
فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱۔۳۶۳۴۹۸۴۰ (۹۲۔۲۱)
برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk

Fortnightly "Maarif Feature" Karachi: REG.No.SC-1303

۱ ۔ **معارف فیچر** ہر ماہ کی یکم اور سولہ تاریخوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے، جو اسلام سے دلچسپی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور و فکر کے لیے اہم یا مفید ہو سکتی ہیں۔

۲ ۔ پیش کیا جانے والا لوازمہ بالعموم بلاتبصرہ شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطۂ نظر، خیال یا معلومات کے انتخاب کی وجہ اس سے ہمارا اتفاق نہیں، اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدلل تردید یا اس سے اختلاف پر مبنی لوازمہ کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔

۳ ۔ **معارف فیچر** کو بہتر بنانے کے لیے مفید معلومات کے حصول یا ان کے ذرائع تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

۴ ۔ ہمارے فراہم کردہ لوازمے کے مزید، لیکن غیر تجارتی ابلاغ کی عام اجازت ہے۔

۵ ۔ **معارف فیچر** کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی رہتی ہے اور عطیات قبول بھی کیے جاتے ہیں۔ **اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی**

پاک سعودی دِفاعی مُعاہدے کے خِطّے پر اَثرات؟

عابد حسین

پاکستان کے وزیرِ اعظم شہباز شریف گزشتہ دنوں سعودی ولی عہد محمد بن سلمان کے ساتھ 'اسٹریٹیجک باہمی دفاعی معاہدے' (ایس ایم ڈی اے) پر دستخط کرنے کے لیے ریاض پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

ماہرین کے مطابق یہ معاہدہ دونوں ممالک کے درمیان تقریباً آٹھ دہائیوں پر محیط تعلقات میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ الیمامہ پیلس ریاض میں شاہی دیوان میں ہونے والی اس معاہدے کی دستخطی تقریب میں سعودی عرب کے اعلیٰ حکام اور مسلم دنیا کی واحد ایٹمی طاقت پاکستان کی اعلیٰ قیادت موجود تھی۔

یہ معاہدہ ایک نہایت نازک موقع پر سامنے آیا ہے۔ خطے کی سیاست غزہ میں گزشتہ ۲ برسوں سے جاری اسرائیلی جارحیت کے باعث بدل کر رہ گئی ہے، اس جارحیت کا نقطۂ عروج گزشتہ ہفتے قطر کے دارالحکومت دوحہ پر اسرائیلی حملہ تھا۔

یہ معاہدہ ایسے وقت میں بھی ہوا ہے جب بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدگی عروج پر ہے۔ مئی میں دونوں ایٹمی طاقتوں کے درمیان ایک مختصر مگر شدید تنازع ہوا، جس نے پورے جنوبی ایشیا کو مکمل جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔

پاکستان کی وزارتِ خارجہ نے کہا کہ سعودی عرب کے ساتھ یہ معاہدہ دونوں ممالک کی 'سلامتی کو مضبوط بنانے اور علاقائی امن کو فروغ دینے' کے عزم کی عکاسی کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ 'کسی بھی جارحیت کے خلاف مشترکہ دفاع کو تقویت' دی جائے گی۔ وزارتِ خارجہ نے کہا کہ 'معاہدے کے مطابق کسی بھی ایک ملک کے خلاف جارحیت کو دونوں کے خلاف جارحیت تصور کیا جائے گا'۔

واشنگٹن ڈی سی میں قائم اسٹمسن سینٹر کے سینئر فیلو اسفندیار میر نے اس معاہدے کو دونوں ممالک کے لیے ایک 'سنگِ میل' قرار دیا۔ انہوں نے الجزیرہ کو بتایا 'پاکستان نے ماضی میں سرد جنگ کے دوران امریکا کے ساتھ باہمی دفاعی معاہدے کیے تھے لیکن وہ ستر کی دہائی تک پہنچتے پہنچتے ختم ہو گئے۔ حتیٰ کہ چین کے ساتھ بھی، وسیع دفاعی تعاون کے باوجود پاکستان کے پاس کوئی باضابطہ باہمی دفاعی معاہدہ موجود نہیں ہے۔

محمد فیصل، جو یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی سڈنی میں ساؤتھ ایشیا کے سکیورٹی محقق ہیں، نے کہا کہ یہ معاہدہ پاکستان کے لیے ایک مثال ثابت ہو سکتا ہے تاکہ وہ متحدہ عرب امارات اور قطر، جو خلیج کے دو اہم شراکت دار ہیں، کے ساتھ اسی نوعیت کے دوطرفہ دفاعی تعاون میں شامل ہو سکے۔

محمد فیصل نے کہا کہ 'قلیل مدت میں یہ معاہدہ جاری کثیرالجہتی دفاعی تعاون کو مضبوط اور باضابطہ بنائے گا اور اسے وسعت دینے کے لیے نئے راستے تلاش کیے جائیں گے، جن میں مشترکہ تربیت، دفاعی پیداوار اور سعودی عرب میں تعینات پاکستانی افواج کے دستے میں ممکنہ توسیع شامل ہو سکتی ہے۔'

تاریخی تعلقات اور فوجی تعاون

اگست ۱۹۴۷ء میں آزادی کے فوراً بعد پاکستان کو تسلیم کرنے والے ابتدائی ممالک میں سعودی عرب بھی شامل تھا۔ ۱۹۵۱ء میں دونوں ممالک نے 'معاہدۂ دوستی' پر دستخط کیے، جس نے کئی دہائیوں پر محیط اسٹریٹجک، سیاسی، فوجی اور اقتصادی تعاون کی بنیاد رکھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلح افواج کئی بار سعودی عرب میں تعینات رہیں اور خلیجی ممالک اور پاکستان میں سعودی اہلکاروں کو تربیت بھی فراہم کی۔

سرکاری ریکارڈ کے مطابق، پاکستان نے ۱۹۶۷ء سے اب تک ۸ ہزار سے زائد سعودی اہلکاروں کو تربیت فراہم کی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں طے پانے والے ایک معاہدے نے اس تعاون کو مزید مضبوط کیا، جس کے تحت 'پاکستانی مسلح افواج کے اہلکاروں کی تعیناتی اور سعودی عرب میں فوجی تربیت' کو یقینی بنایا گیا۔

تاہم تازہ ترین معاہدہ ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب مشرق وسطیٰ کا جغرافیائی و سیاسی منظرنامہ بڑی تبدیلیوں سے گزر رہا ہے۔ غزہ میں اسرائیلی جنگ اور خطے کے دیگر ممالک پر اسرائیلی حملوں نے خلیجی ریاستوں کو بے چینی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان میں سے اکثر اب بھی امریکا کی سکیورٹی ضمانتوں پر انحصار کرتے ہیں، حالانکہ واشنگٹن اسرائیل کا قریبی ترین اتحادی ہے۔

قطر، جسے ۹ ستمبر کو اسرائیل نے حماس کے رہنماؤں کی

اندرونی صفحات پر

- یورپ کا ڈیجیٹل مستقبل
- اسلامی چھاتر وشِبر کی شاندار فتح
- قطر پر اسرائیلی حملہ، عرب دنیا کے لیے خطرے کی گھنٹی
- علم و تحقیق کی مطلوب سَمت
- غزہ امدادی مراکز پر مامور امریکی گینگ
- ٹرمپ پالیسیاں امریکی عالمگیریت کے لیے خطرہ
- سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی کا دَور
- پارسی جریدے کی موت
- یورپ کو جنگ میں گھسیٹنے کی کوشش

میزبانی کے باعث نشانہ بنایا، امریکی سینٹرل کمانڈ (سینٹ کام) کے مرکزی اڈے کے طور پر خدمات انجام دیتا ہے۔

۲۰۲۵ء کے وسط تک، مشرق وسطیٰ میں تقریباً ۴۰ سے ۵۰ ہزار امریکی فوجی تعینات ہیں، جو بڑے فوجی اڈوں اور کم از کم ۱۹ چھوٹے فارورڈ بیسز پر موجود ہیں، ان میں ریاض کے قریب پرنس سلطان ایئربیس بھی شامل ہے۔

اگرچہ سعودی حکام کا کہنا ہے کہ پاکستان کے ساتھ یہ معاہدہ کم از کم ایک سال سے زیرِ غور تھا، لیکن واشنگٹن میں مقیم آزاد سکیورٹی تجزیہ کار سحر خان کے مطابق اس کی زبان امریکا میں تشویش کا باعث بنے گی۔

۲۰۲۱ء سے ۲۰۲۵ء کے دوران، صدر جو بائیڈن کی انتظامیہ نے پاکستان کے مبینہ بیلسٹک میزائل پروگرام کے حوالے سے سات مرتبہ پاکستانی شخصیات اور کمپنیوں پر پابندیاں عائد کیں۔ بائیڈن انتظامیہ کے عہدیداروں نے یہ خدشات بھی کھل کر ظاہر کیے کہ پاکستان جو میزائل تیار کر رہا ہے، وہ کہاں تک مار کر سکتے ہیں اور آیا وہ امریکا تک جوہری ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں۔

سحر خان نے الجزیرہ کو بتایا کہ پاکستان کو واشنگٹن میں پہلے ہی اعتبار کے مسئلے کا سامنا ہے اور یہ معاہدہ اسے کم نہیں کرے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ واضح کرے کہ اس کا جوہری اور میزائل پروگرام بھارت تک محدود ہے، اور اگرچہ اس کے سعودی عرب کے ساتھ تعلقات مضبوط ہیں لیکن وہ سعودی جنگیں نہیں لڑے گا بلکہ صرف متعلقہ مدد فراہم کرے گا۔

رواں سال جون میں اسرائیل نے ایران کے خلاف ۱۲ روزہ جنگ چھیڑی جس میں ایران کی جوہری تنصیبات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فوجی اور سویلین رہنماؤں کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ اس حملے میں امریکی بمبار طیاروں نے بھی اسرائیل کا ساتھ دیا اور فردو، جو ایران کی اہم جوہری سائٹس میں سے ایک ہے، پر بڑے تباہ کن بم گرائے۔

تین ماہ بعد اسرائیل نے دوحہ کے ایک پُرسکون رہائشی علاقے میں ایک عمارت کو نشانہ بنایا، جہاں سفارت خانے، سپر مارکیٹیں اور اسکول قائم ہیں۔ اس حملے میں کم از کم پانچ حماس ارکان اور ایک قطری سکیورٹی اہلکار ہلاک ہوئے۔

دوحہ حملے کے بعد عرب اور اسلامی ممالک کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ خلیج تعاون کونسل (جی سی سی) کے رکن ممالک بحرین، کویت، عمان، قطر، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے مشترکہ دفاعی نظام کو فعال کرنے کا اعلان کیا۔

محمد فیصل نے کہا کہ پاک۔سعودی دفاعی معاہدے کو انہی حالات کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ان واقعات نے خلیجی ممالک کی سلامتی کے خدشات کو بڑھا دیا ہے اور امریکا کی سکیورٹی ضمانت پر اعتماد کو متزلزل کیا ہے۔ جب خلیجی ممالک اپنی سلامتی کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو پاکستان، مصر اور ترکی جیسے علاقائی ممالک قدرتی شراکت دار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

تاہم سحر خان کا کہنا تھا کہ اگرچہ معاہدے کے وقت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس کا تعلق قطر پر اسرائیلی حملے سے ہے، لیکن 'ایسے معاہدوں پر بات چیت میں برسوں نہیں تو مہینوں لگ ہی جاتے ہیں'۔ تاہم اسٹمسن سینٹر کے اسفند یار میر نے نشاندہی کی کہ یہ معاہدہ اس بات کا بھی امتحان ہوگا کہ پاکستان اور سعودی عرب کس طرح ان ممالک کے ساتھ ایک دوسرے کے تنازعات میں اپنے کردار کو سنبھالتے ہیں جن کے ساتھ وہ اب تک محتاط تعلقات رکھتے آئے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ اب پاکستان کو اس خطرے کا سامنا ہے کہ وہ سعودی عرب کی علاقائی رقابتوں، خصوصاً ہمسایہ ایران کے ساتھ الجھ سکتا ہے۔ اسی طرح سعودی عرب نے خود کو پاکستان کے تنازعات کا حصہ بنالیا ہے، خاص طور پر بھارت کے ساتھ، اور ممکنہ طور پر طالبان کی قیادت والے افغانستان کے ساتھ بھی۔

بھارت

اس دفاعی معاہدے پر ایٹمی ہتھیاروں سے لیس بھارت بھی گہری نظر رکھے گا۔ بھارت اور پاکستان کے تعلقات، جو پہلے ہی تاریخ کی نچلی ترین سطح پر تھے، اپریل میں پہلگام حملے کے بعد مزید خراب ہوگئے۔ بھارت نے اس حملے کا الزام پاکستان پر عائد کیا جسے پاکستان نے مسترد کردیا۔

چند روز بعد مئی میں دونوں ممالک کے درمیان چار روزہ جھڑپ ہوئی، جس میں ایک دوسرے کے فوجی اڈوں کو میزائلوں اور ڈرونز سے نشانہ بنایا گیا۔ تقریباً تین دہائیوں میں یہ سب سے سنگین کشیدگی تھی، جو بالآخر ۱۰ مئی کو جنگ بندی پر ختم ہوئی، جس کا سہرا امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے سر باندھا۔

گزشتہ دنوں ہفتہ وار بریفنگ کے دوران بھارتی وزارتِ خارجہ کے ترجمان رندھیر جیسوال نے کہا کہ بھارتی حکومت معاہدے پر دستخط سے آگاہ ہے۔

انہوں نے کہا کہ 'ہم اس پیشرفت کے مضمرات کا مطالعہ کریں گے، تاکہ اپنی قومی سلامتی، علاقائی اور عالمی استحکام کو یقینی بنا سکیں۔ حکومت بھارت کے قومی مفادات کے تحفظ اور ہمہ جہتی قومی سلامتی کے عزم پر قائم ہے'۔

تاہم محمد فیصل کا کہنا ہے کہ یہ معاہدہ پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کو نئے توازن کی طرف لے جا سکتا ہے، جو حالیہ برسوں میں زیادہ تر پاکستان کی کمزور معیشت کے لیے سعودی مالی امداد پر مبنی تھے، جب کہ ریاض بھارت کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کر رہا تھا۔

انہوں نے کہا کہ 'پاکستان کی پوزیشن بہتر ہوئی ہے اور پاک۔سعودی تعاون کو دفاعی اور علاقائی سلامتی کے معاملات میں وسعت دینے کے لیے نئی گنجائش پیدا ہوئی ہے'۔

گزشتہ دہائی میں پاکستان کی لڑکھڑاتی معیشت سعودی امداد پر زیادہ انحصار کرتی رہی ہے، اسی دوران بھارت نے ریاض کے ساتھ تعلقات کو مستحکم کیا۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے اپریل میں سعودی عرب کا تیسرا دورہ کیا۔

اسفند یار میر کا کہنا ہے کہ نیا معاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ سعودی عرب اب بھی پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اہمیت دیتا ہے اور بھارت کی کوششوں کے باوجود اسلام آباد خطے میں تنہا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ 'بالکل ایسے موقع پر جب پاکستان کو بھارتی فوجی کارروائی کے خطرے کا سامنا ہے، اسلام آباد نے سعودی عرب سے ایک مضبوط دفاعی معاہدہ کیا ہے۔ اس لیے یہ مستقبل کے پاک بھارت تعلقات میں کافی پیچیدگیاں لے آئے گا'۔

پاکستان کی ایٹمی قوت اور سعودی عرب؟

سعودی عرب طویل عرصے سے جوہری ٹیکنالوجی کے حصول میں دلچسپی ظاہر کرتا آیا ہے تاکہ توانائی کے ذرائع کو متنوع بنایا جا سکے۔ جنوری میں سعودی وزیرِ توانائی شہزادہ عبدالعزیز بن سلمان آل سعود نے ایک بار پھر اس عزم کا اظہار کیا کہ ریاض یورینیم کو افزودہ کرنے اور فروخت کرنے کے لیے تیار ہے، جو کہ جوہری پروگراموں کا ایک اہم جزو ہے۔

تاہم سعودی عرب بارہا واضح کر چکا ہے کہ اس کی ایٹمی ہتھیاروں کو حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

امریکی صحافی باب ووڈورڈ نے اپنی ۲۰۲۴ء کی کتاب وار میں ایک گفتگو کا حوالہ دیا ہے جس میں مبینہ طور پر سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے امریکی سینیٹر لنڈسے گراہم سے کہا تھا کہ ریاض یورینیم کو صرف توانائی کے مقاصد کے لیے افزودہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۱۵

یورپ کا ڈیجیٹل مستقبل

Stephan Richter & Thiemo Fetzer

دُنیا بھر میں بڑی معیشتیں چاہتی ہیں کہ اُن کی برتری ختم نہ ہو۔ یہ فطری خواہش ہے اور بڑی معیشتیں اس خواہش کو عملی جامہ پہناتے رہنے کی تیاریاں بھی کرتی رہتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ بدلنا اُنہیں خوب آتا ہے۔ جدید ترین علوم وفنون میں پیشرفت کا بازار گرم رکھنا ایسی تمام معیشتوں کے لیے ناگزیر ہوا کرتا ہے جو دُنیا پر راج کرنے کا مزاج رکھتی ہوں۔

امریکا اور یورپ نے کئی صدیوں تک دنیا پر بلا شرکتِ غیرے راج کیا ہے اور آج بھی دنیا بہت حد تک اُن کی مُٹھی میں ہے۔ چین، رُوس، برازیل، بھارت اور ترکی وغیرہ نے مغرب کی مکمل بالادستی کو چیلنج ضرور کیا ہے تاہم وہ اب تک اِس بالادستی کو ختم کرنے کا دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

امریکا چاہتا ہے کہ ٹیکنالوجی کے شعبے میں اُس کی برتری باقی رہے۔ اِس معاملے میں اُسے یورپی یونین سے تعاون اور اشتراکِ عمل کی ضرورت ہے۔ یورپی یونین اس حوالے سے مخمصے میں مبتلا ہے۔ اگر وہ امریکا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ قانون کی بالادستی کو داؤ پر لگانے جیسا معاملہ ہوگا۔

امریکا کو عالمگیر ڈیجیٹل معیشت کی غیر معمولی طاقت کا بخوبی اندازہ ہے۔ اِس شعبے میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی صلاحیت برقرار رکھنے کے لیے امریکا کے تجارتی مذاکرات کار خاصی چالاکی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یورپی یونین، چین، روس اور برازیل سے مسابقت درپیش ہے۔ اِس مسابقت کو جھیلنا اُسی وقت ممکن ہے جب ہر کارڈ بہت سوچ سمجھ کر کھیلا جائے۔ اِس کے لیے غیر معمولی ذہانت، بلکہ چالاکی درکار ہے۔ ایک دُنیا جانتی ہے کہ امریکا مذاکرات کی میز پر اپنے تمام کارڈز بہت اچھی طرح کھیلنا جانتا ہے۔ اِس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ چین، روس، بھارت، برازیل اور ترکی کا پوری قوت سے سامنا کرنے کے لیے لازم ہے کہ امریکا کو یورپی یونین سے بھرپور مدد ملے۔ اس کے لیے مذاکرات جاری رہے ہیں۔ امریکا چاہتا ہے کہ یورپی یونین اپنی راہ الگ نہ کرے اور اُس کے ساتھ مل کر چلتی رہے۔ یورپی یونین کے بہت سے بڑے ارکان چاہتے ہیں کہ باقی دنیا سے تجارتی اور مالیاتی معاملات میں بہتر ڈِیلنگ کے لیے امریکا سے تھوڑا سا فاصلہ رکھا جائے، اُس کی ہر پالیسی کو آسانی اور خوش دِلی سے قبول نہ کیا جائے اور باقی دنیا کو یہ تاثر قائم کرنے کا موقع نہ دیا جائے کہ یورپی یونین اوّل و آخر امریکا کا دُم چھلاّ ہے۔

امریکی مذاکرات کار یورپی یونین کے رہنماؤں سے مذاکرات کے دوران خاصی چالاکی اور موقع شناسی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپی یونین کو ناراض کرکے وہ عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کی راہ پر زیادہ دُور تک نہیں جاسکتے۔

امریکی تجارتی مذاکرات عالمی معیشت سے امریکا کے لیے زیادہ سے زیادہ فوائد بٹورنے کی خاطر میٹا، گوگل، امیزون، ایپل اور دیگر امریکی ڈیٹا پلیٹ فارمز کی عالمی بالادستی کو زیادہ سے زیادہ طول اور وسعت دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اس راہ میں حائل کسی بھی دیوار کو یورپی یونین کی مدد سے گرانے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔ امریکا عالمی ڈیجیٹل معیشت سے اپنے لیے زیادہ سے زیادہ آمدنی چاہتا ہے۔ اُس کے تجارتی مذاکرات کار قانونی اور اَخلاقی طور پر دُرست مسابقت، جدّت، تمدّن اور آئینی اُمور سے متعلق پیدا ہونے والے خدشات اور اعتراضات کو راہ سے ہٹانے کی خاطر ایسے تجارتی معاہدے کرنے کے لیے بھی تیار ہیں جو ترجیحاً یک طرفہ طور پر تھوپے جائیں۔ اور اگر اِس عمل میں اُنہیں چور دروازے کا سہارا لینا پڑے تو اِس کے لیے بھی وہ تیار ہیں کیونکہ امریکی قیادت کی نظر میں ہر وہ کام جائز ہے جو قومی مفادات کا تحفظ یقینی بنانے کے لیے لازم ہو۔

امریکی قیادت اچھی طرح جانتی ہے کہ یورپی یونین یا کسی بھی اور فریق کو اگر اپنے حق میں اور اپنے ساتھ رکھنا ہے تو لازم ہے کہ اُس کے مفادات کا بھی خیال رکھا جائے، اُس کے مطلب کی بھی بات کی جائے۔ امریکی تجارت کار یورپی یونین سے تعلق رکھنے والے ٹریڈنگ پارٹنرز کو کاریں تیار کرنے کے علاوہ زرعی شعبے میں بھی چند ایک بڑی رعایتیں دینے کے لیے تیار ہیں۔

امریکی مذاکرات کار جب اپنے بڑے یورپی ٹریڈنگ پارٹنرز کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کا یقین دلا چکے ہیں تو پھر اگلے قدم کے طور پر تجارتی معاہدوں میں ایسی دفعات اور شِقیں شامل کرواتے ہیں جن کا بنیادی مقصد عالمی معیشت پر امریکی بالادستی کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور وسیع بنانا ہے۔ یورپی ٹریڈنگ پارٹنرز بھی امریکی قیادت کی ذہنیت اور ترجیحات کو بخوبی جانتے اور سمجھتے ہیں۔

امریکا نے برطانیہ کے ساتھ اکنامک پراسپیریٹی ڈیل کی اور دوسری طرف کینیڈا اور برازیل سے بھی تجارتی معاہدے کیے۔ اِن تجارتی معاہدوں کے ذریعے امریکا عالمی ڈیجیٹل اکانومی پر اپنا فیصلہ کُن تسلّط قائم کرنے کی خاطر ایسی شِقیں بھی شامل کرواتا رہا ہے جو بظاہر بے ضرر سی ہیں مگر غور کیجیے تو وہ بہت دُور رَس اَثرات کی حامل دکھائی دیتی ہیں۔

یورپی یونین نے بھی ہائی ٹیک کے میدان میں اپنے آپ کو منوانے پر بہت توجہ دی ہے، بہت محنت کی ہے۔ امریکا چاہتا ہے کہ یورپی ٹریڈنگ پارٹنرز ڈیٹا کو مقامی سطح تک محدود رکھنے کے معاملے سے دُور رہے۔ امریکی تجارتی مذاکرات یہ تاثر دیتے رہے ہیں کہ وہ یورپی یونین کو زیادہ سے زیادہ ڈیٹا بروئے کار لانے کی آزادی دینا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ڈیٹا کنٹرول کے معاملے میں یورپی یونین کی پوزیشن کمزور کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ یورپی طاقتیں چاہتی ہیں کہ عالمگیر ڈیجیٹل معیشت میں اپنی پوزیشن زیادہ سے زیادہ مضبوط رکھیں تاکہ غیر معمولی فوائد کا حصول زیادہ مشکل نہ رہے۔

جرمنی امریکی پیادہ بن گیا؟

یورپ کی کئی بڑی طاقتیں عالمی معیشت میں اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے سرگرداں ہیں۔ گلوبل ڈیجیٹل اکانومی کے معاملے کو بھی ان طاقتوں نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔

ایک دنیا جانتی ہے کہ امریکا کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہر خطّے میں حاشیہ برداروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اِنہیں پِٹھو یا پیادے بھی کہا جاسکتا ہے۔ یورپی یونین میں امریکی مفادات کے منافی کسی بھی بات کو روکنے کے لیے امریکی قیادت نے روایتی طور پر جرمنی کا سہارا لیا ہے۔ جرمن حکومت عمومی سطح پر امریکا نواز ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگاتی۔ اِس کا سبب شاید یہ ہے کہ اُسے بھی برطانیہ اور فرانس کے مقابل اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیے امریکا کی ضرورت پڑتی ہے۔

جرمنی میں آٹو انڈسٹری کے لیے مشکلات بہت بڑھ گئی ہیں۔ اُسے نئی منڈیوں کی تلاش ہے اور موجودہ منڈیوں میں مسابقت بہت بڑھ گئی ہے۔ امریکا اپنے مفادات کے لیے کام کرتا ہے۔ جرمن حکومتیں قومی معیشت کے استحکام کے لیے ایسے فیصلے بھی کرتی رہی ہیں جن کے نتیجے میں اُنہیں نقصان بھی پہنچتا رہا ہے۔ جرمن قیادت بڑی تصویر دیکھنے کی عادی نہیں۔ وہ بہت بڑے پیمانے کی سوچ سے عاری ہے۔ امریکی قیادت بہت بعد کا سوچتی ہے۔ جرمن قیادت میں یہ وصف یا تو ہے ہی نہیں یا پھر بہت کمزور ہے۔

اگر جرمن قیادت آنکھیں بند کرکے امریکی مفادات کی نگہبانی کرتی رہی تو اِسے یورپ کے لیے اَلمیہ ہی سمجھا جائے گا۔ جرمن آٹو انڈسٹری نے طویل مدّت تک اسٹریٹجک نوعیت کی غلطیاں کرکے اپنی مارکیٹ خود خراب کی ہے۔ یہ انڈسٹری

طویل المیعاد بنیاد پر استحکام کی منزل سے بہت دُور دکھائی دیتی ہے کیونکہ اِس حوالے سے سوچا گیا ہے نہ عملی سطح پر تیاری کی گئی ہے۔ ڈیجیٹل اکانومی کی طرح جرمنی نے آٹو انڈسٹری کی بقا پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ اِس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ جرمن گاڑیوں کی مارکیٹ خاصی سُکڑ چکی ہے۔

امریکا کے لیے ایک بڑا پلس پوائنٹ یہ ہے کہ یورپی یونین کی سب سے بڑی معیشت ہونے کے باوجود جرمنی نے حکومتی سطح پر سنجیدہ نوعیت کا ڈیجیٹل ایجنڈا ایک طویل مدّت تک تیار نہیں کیا۔ اِس طرف توجہ اُس وقت دی گئی جب معاملات بے قابو ہوگئے، پانی سر سے گزرنے لگا۔ متعلقہ فیصلہ سازی کے لیے جس دُوراندیشی کی ضرورت پڑتی ہے، وہ جرمن قیادت میں نہیں۔ اُس نے متعلقہ تحقیق کے میدان میں بھی زیادہ کچھ کر دِکھانے پر توجہ نہیں دی۔

یورپی ڈیجیٹل خودمختاری کا تحفّظ

امریکا چاہتا ہے کہ چند ایک چھوٹے معاملات میں کچھ رعایتیں دے کر یورپ سے اُس کا ڈیجیٹل مستقبل ہتھیا لے۔ کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ کاروں کی برآمد پر ٹیرف میں تھوڑی سی رعایت کے عِوض یورپ کے ڈیجیٹل مستقبل کو داؤ پر لگا دیا جائے۔ یہاں یہ بتانے کی ضرورت تو شاید ہے ہی نہیں کہ یورپی باشندوں کی خودمختاری کو بہت حد تک محدود کیا جا چکا ہے۔

اگر جرمن قیادت نے امریکا کے ساتھ مل کر کام کرنے کے حوالے سے کوئی بڑی غلطی کی تو اُس کے ساتھ ساتھ پورا یورپ گڑھے میں جا گرے گا۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے عہدِ صدارت میں امریکا تجارتی معاملات میں جس نوعیت کی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہا ہے، اُسے دیکھتے ہوئے یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ امریکا کے ساتھ کام کرنے کی صورت میں کچھ خاص ملے گا تو نہیں، البتہ قانون کی پاسداری اور بالادستی ضرور داؤ پر لگ جائے گی۔

اگر امریکا کو زیادہ رعایتیں دی گئیں تو یورپ کے پاس اپنے ڈیٹا کو ریگولیٹ کرنے، ڈیجیٹل سروسز پر ٹیکس لگانے اور اپنے ٹیک چیمپینز تیار کرنے کا اختیار نہیں بچے گا۔ امریکی قیادت کی ہٹ دھرمی اور سخت گیری یورپ کے لیے ڈیجیٹل معیشت کے میدان میں آزادانہ کام کرنے کی زیادہ گنجائش نہیں چھوڑے گی۔

واشنگٹن کے ساتھ ڈیلنگ میں برلن نے اگر محض آٹو انڈسٹری کے مفادات کا تحفظ یقینی بنانے کے نام پر چند رعایتیں لے لیں تو نارڈ اِسٹریم ٹو کی سی نوعیت کا کوئی بڑا المیہ رُونما ہوسکتا ہے۔ اگر جرمن قیادت نے ایسا کوئی معاہدہ کیا تو یہ انحصار کا معاملہ ہی کہلائے گا۔ اِس بار روس کی گیس کے بجائے امریکی ٹیکنالوجی پر انحصار پذیر رہنا پڑے گا۔

ٹرمپ کی وَیک اَپ کال

یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ امریکی صدر کو اپنے عزائم چُھپانے سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں، اُسے کسی بھی سطح پر چھپانے کی کوشش نہیں کرتے۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے حال ہی میں ایک بھرپور وَیک اَپ کال دی ہے جو صرف یورپ کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے تھی۔ ٹرمپ نے اپنے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ٹروتھ سوشل پر دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ڈیجیٹل ٹیکس، ڈیجیٹل سروسز سے متعلق قوانین اور ڈیجیٹل مارکیٹ کے قواعد وضوابط امتیازی نوعیت کے اور سراسر امریکا مخالف ہیں یعنی امریکی ٹیکنالوجی کو کسی نہ کسی طور نیچا دِکھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اُنہوں نے خبردار کیا کہ جو ملک ایسا کرے گا یا ایسا کرنے کی طرف جائے گا اُسے امریکا کی طرف سے غیر معمولی اقدامات اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امریکا ٹیرف بھی بڑھائے گا اور برآمدات کو محدود کرنے کے دیگر ہتھکنڈے اختیار کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ ڈونلڈ ٹرمپ امریکی مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرنے کے لیے اپنے دستخط کیے ہوئے کسی بھی تجارتی معاہدے میں، جب بھی ضرورت محسوس ہوتب، یک طرفہ طور پر شرائط تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایسے میں یورپ کے لیے دانش کا سَودا یہ ہے کہ وہ صنعتی مالِ تجارت پر معمولی سی رعایتوں کے عِوض امریکا کو ایسی کوئی رعایت نہ دے جس کے ہاتھوں اُس کے وسیع تر مفادات کو ضرب لگتی ہو۔

یورپ کو انکار ہی کرنا چاہیے!

اگر یورپی یونین کے ارکان مصنوعی ذہانت اور ڈیٹا کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آنے والی طاقت کے حوالے سے یورپ کے لیے کوئی بڑی اُمید زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اُنہیں امریکا سے معاملات کرتے وقت جرمن قیادت کی طرف کی جانے والی ایسی کسی بھی ضمانت کے خلاف کھڑا ہونا چاہیے جو امریکی مفادات کو مستحکم کرتے ہوئے یورپی معاملات کو مزید خرابی کی طرف لے جاتی ہو۔

ڈیجیٹل معاملات میں امریکا کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے بہت سے معاملات پر شدید منفی اثرات مرتب ہوں گے اور مستقبل کے حوالے سے دباؤ بڑھے گا۔ ایسے میں امریکی ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر یورپی یونین کے ارکان کا انحصار بڑھ جائے گا، عالمگیر سطح پر معیارات کے تعین سے متعلق ساکھ، جو پہلے ہی کمزور ہے، مزید کمزور پڑے گی۔ ایسی صورت میں ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کی اجارہ داری کے سامنے اپنا دِفاع یورپی یونین کے ارکان کے لیے مزید دُشوار ہوجائے گا۔

ایسا نہیں ہے کہ یورپ کے لیے تجارتی معاملات بہتر اُسی وقت ہوں گے جب وہ امریکا سے تجارت ترک کر کے دوسرے خطّوں میں پارٹنرز تلاش کرے گا۔ سوال امریکا سے تجارتی روابط کمزور کرنے کا نہیں بلکہ دُرست تجارتی معاہدے کرنے کا ہے تاکہ مفادات خواہ مخواہ داؤ پر نہ لگیں۔ یورپی یونین کے پاس اپنی حدود میں ہونے والے تمام لین دَین پر ٹیکس لگانے کا اختیار ہر حال میں ہونا چاہیے۔

ایک اچّھی اور اُمید افزا علامت یہ ہے کہ امریکی تجارتی مذاکرات کاروں کے عزائم بے نقاب ہونے کی صورت میں جرمن قیادت کو بھی زیادہ ذہانت کے ساتھ تجارتی معاملات طے کرنے کا موقع ملا ہے، اُس کے اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔ حال ہی میں جرمنی اور فرانس کی سربراہ ملاقات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جرمنی نے بہت حد تک سبق سیکھ لیا ہے۔

یورپ تا حال مؤثر ہے!

اگر واشنگٹن کوئی ایسا معاہدہ کرنے سے گریز یا انکار کرتا ہے جس کے نتیجے میں اُس کی پوزیشن خطرے میں پڑتی ہو یا مفادات اپنی خواہش کے مطابق محفوظ نہ رہ پاتے ہوں تو یورپی یونین کے پاس بھی اپنا اثر ورُسوخ بنائے رکھنے کا اختیار موجود ہے۔ یورپ سے خدمات کے شعبے کی تجارت میں امریکا کا سرپلس بہت بڑا ہے۔ ذہنی اثاثوں کے تحفظ سے متعلق سَودے بازی یورپ کے لیے ٹیکنالوجی سیکٹر میں پیشرفت ممکن بنانے کی بھرپور گنجائش پیدا کرے گی۔

یورپی یونین کو اگر امریکا سے تجارت میں تھوڑا بہت رعایت چاہیے تو اِس کی ایک مؤثر صورت صرف یہ ہے کہ وہ سنگل مارکیٹ کے طور پر ڈیل کرے گا۔ یورپی طاقتیں یکے بعد دیگرے امریکا سے ڈیلنگ کریں گی تو اُن کی مجموعی طاقت بکھر جائے گی اور یوں وہ امریکا سے مؤثر سَودے بازی کی پوزیشن میں نہیں رہیں گے۔ جرمنی اور فرانس کے قریب آنے کو نیک فال سے تعبیر کیا جانا چاہیے۔ اب یورپی یونین میں اندرونی سطح کے مناقشوں اور قضیوں کی راہ مسدود ہونی چاہیے۔ ایسے میں یورپی یونین میں اندرونی سطح کے اختلافات بہت حد تک ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے اُن کی پروگرامنگ پہلے سے کرلی گئی ہو۔

(مترجم: ابوصباحت)

"Germany risks selling out Europe's digital future". ("The Globalist". September 9, 2025)

اِسلامی چھاترو شِبر کی شاندار فتح

Md Abbas

بنگلا دیش جماعتِ اسلامی کے اسٹوڈنٹ ونگ 'بنگلا دیش اسلامی چھاترو شِبر' نے ڈھاکا یونیورسٹی سینٹرل اسٹوڈنٹس یونین(DUCSU) کے الیکشن میں تمام کلیدی عہدے جیت لیے ہیں۔ یہ فتح غیر معمولی مارجن کی ہے۔ اسلامی چھاترو شِبر کے امیدواروں نے انتخابی میدان میں جاتیا تابادی چھاتر دَل، بائیں بازو کے اتحادوں اور آزاد امیدواروں کو پچھاڑا۔

اسلامی چھاترو شِبر کے حمایت یافتہ ابو صادق قائم اور ایس ایم فرہاد نے نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں۔ واضح رہے کہ اسلامی چھاترو شِبر کا پورا پینل فتح یاب ہوا ہے۔ اب بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر غیر معمولی نوعیت کے اور مضبوط امیدواروں کو اسلامی چھاترو شِبر کے امیدواروں نے کیسے پچھاڑا۔ اس سوال کا ایک سادہ سا اور فوری جواب یہ ہے کہ اسلامی چھاترو شِبر غیر معمولی تنظیمی ڈھانچے اور قابلِ رشک ڈِسپلن کی حامل ہے، ابلاغ کی سطح بہت بلند ہے، وقت کی موزونیت کا بہت خیال رکھا جاتا ہے اور طلبہ میں تنظیم کے حوالے سے تصوّر اور تأثر بہت بلند ہے۔

ابو صادق قائم اور اُن کے رننگ میٹ (کورکینڈیڈیٹ) ایس ایم فرہاد کے درمیان ووٹوں کا فرق بھی بہت نمایاں ہے۔ صادق نے ایس ایم فرہاد سے چار ہزار زائد ووٹ لیے۔ بہت سے طلبہ کے نزدیک شیخ حسینہ واجد کے خلاف تحریک چلانے والوں میں صادق نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ وہ محض امیدوار نہ تھے بلکہ انقلاب کی علامت تھے۔ علامتی شناخت نے اُنہیں غیر معمولی طاقت فراہم کی۔ بہت سے طلبہ کے ذہن میں یہ تأثر اور تصوّر تھا کہ صادق کو ووٹ دے کر وہ دراصل گزشتہ جولائی میں شیخ حسینہ کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کو زندگی اور توانائی فراہم کر رہے تھے۔ یہ ایموشنل اپیل تھی جس کے زیرِ اثر طلبہ نے اسلامی چھاترو شِبر کے ووٹ بینک سے ہٹ کر بھی اپنا کردار ادا کیا۔ نظریاتی ہم آہنگی نہ رکھنے والے افراد نے بھی اسلامی چھاترو شِبر کے حق میں رائے دی۔ اسلامی چھاترو شِبر نے اس الیکشن کی تیاری ۵ راگست سے شروع کی تھی۔ اُس نے اپنے ووٹ بینک کو مستقل محنت اور منصوبہ سازی کے ذریعے توسیع دی۔ ایک ایک ہال اور ایک ایک لابی میں طلبہ سے فرداً فرداً ملاقات کی اور اُنہیں اپنی اہلیت کا قائل کرنے کی کوشش کی۔

اسلامی چھاترو شِبر کے سامنے کھڑے ہونے والے گروپ کوشش کے باوجود کُھلے میدان میں آکر کام کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ بنگلا دیش گنتانترک چھاترا اسنگسد، پروتیرودھ پورشود، بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھنے والا امامہ فاطمہ گروپ اور چھاترا دل بہت حد تک منتشر اور منقسم رہے۔ یہ لوگ طلبہ سے براہِ راست رابطہ کرنے کے بجائے میڈیا کے ذریعے اُن سے مخاطب ہونے کو ترجیح دیتے رہے۔ اُن کا زور پریس کانفرنسوں پر رہا۔

جے سی ڈی کے عبدالسلام خان کی سب سے بڑی کمزور تھی ٹائمنگ۔ وہ پولنگ سے صرف ۱۳ ردن قبل انتخابی دوڑ میں شریک ہوئے۔ تعلیم و تعلّم کے حوالے سے اُن کی ساکھ بہت اچھی تھی۔ وہ سابق طلبہ میں بھی بہت اچھی پوزیشن کے حامل تھے۔ کئی پلس پوائنٹس ہونے کے باوجود وہ کم وقت میں اپنے لیے زیادہ جگہ بنانے میں ناکام رہے۔ بہت سے غیر جانبدار ووٹرز نے یہ محسوس کیا کہ وہ خاصے غیر سنجیدہ امیدوار ہیں۔ اگر جے سی ڈی نے اُن کے امیدوار ہونے کا اعلان بہت پہلے کیا ہوتا یا کوئی پینل تشکیل دیا ہوتا تو اُن کی پوزیشن مضبوط ہوتی۔

جگن ناتھ ہال کا معاملہ بہت حد تک استثنٰی کا درجہ رکھتا ہے۔ بہت سے طلبہ نے نائب صدر کے لیے عابدل کو ووٹ دیا۔ جنرل سیکرٹری کے لیے اُنہوں نے میگھ ملار بوسو کو ووٹ دیا۔ یہ حساب کتاب اسٹریٹجک نوعیت کا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ صرف عابدل ہی نائب صدر کے لیے ابو صادق کو منہ دے سکتا ہے اور یہ کہ جنرل سیکرٹری کے لیے صرف میگھ ملار بوسو میں اسلامی چھاترو شِبر کے امیدوار کو پریشان کرنے کی اہلیت تھی۔ اِس ٹیکٹیکل ووٹنگ پیٹرن سے اندازہ ہوا کہ طلبہ کے چند پاکٹس نے اسلامی چھاترو شِبر کی طاقت کے سامنے بند باندھنے کی شعوری اور منظّم کوشش کی۔

ایک بنیادی فرق بولنے کے انداز کے فرق سے بھی واقع ہوا۔ ابو صادق اور ایس ایم فرہاد جیسے امیدواروں نے نرم اور مہذّب لب ولہجہ اختیار کیا۔ اُنہوں نے بات کو گھما پھرا کر بیان کرنے کے بجائے سادہ زبان استعمال کرنے کو ترجیح دی۔ اُنہوں نے سیاست دانوں کی طرح بات کرنے کے بجائے طلبہ سے اِس طور بات کرنے کی کوشش کی، گویا وہ اُن کے بزرگ ہوں اور اُن کا بھلا چاہتے ہوں۔ اُن کا لہجہ نرم اور پرسنل تھا۔ طلبہ اُن سے بات کرنے میں الجھن محسوس نہیں کرتے تھے۔

اُمامہ فاطمہ اور میگھ ملار جیسے امیدواروں نے بھاری سیاسی زبان استعمال کرنے کو ترجیح دی۔ اُن کی تقریریں گفتگو سے زیادہ منشور کے اعلان جیسی سُنائی دیں۔ عام طلبہ کو ابلاغ میں واضح خلا محسوس ہوا۔ عابدل نے دس بارہ کیمروں کے ساتھ اپنی انتخابی مہم چلائی جو بہت حد تک بناوٹی اور دکھاوے پر مبنی تھی۔ طلبہ کو اچھا پیغام نہیں گیا۔ اور اس کا نتیجہ بھی سب کے سامنے ہے۔

اِدراک کا معاملہ بھی ایک عامل کے طور پر سامنے آیا۔ جب عام طلبہ نے محسوس کر لیا کہ ابو صادق کی پوزیشن بہت مضبوط ہے تو اُنہوں نے کمزور امیدواروں پر اپنا ووٹ ضائع کرنے کے بجائے ابو صادق کو ووٹ دینے کو ترجیح دی۔ اِس کے نتیجے میں اُن کی برتری زیادہ اور نمایاں ہوگئی۔

اسلام چھاترو شِبر کو طالبات کی زیادہ حمایت حاصل ہوئی، بالخصوص رقیہ ہال میں۔ اِس کے لیے اسلامی چھاتری سنگستھا نے بہت معیاری گراؤنڈ ورک کیا تھا۔ اسلام چھاترو شِبر کے ویمین ونگ نے بہت پہلے سے نیٹ ورکنگ کر لی تھی اور اِس کا معیار بلند کرنے پر غیر معمولی محنت جاری رکھی۔ مستحق طالبات کی مالی امداد بھی کی گئی۔ اِس کے نتیجے میں اسلامی چھاترو شِبر کے امیدواروں کے لیے اُن کے دل میں حمایت پیدا ہوئی۔ ڈھاکا یونیورسٹی کی طالبات پُرتشدد سیاست کو بالکل پسند نہیں کرتیں۔ اسلامی چھاترو شِبر نے اِس حوالے سے صاف اور پسندیدہ امیج برقرار رکھنے پر زیادہ توجہ دی۔

میگھ ملار بوسو نے غیر رہائشی طلبہ سے اچھے خاصے ووٹ حاصل کیے۔ سیاسی کارکن کی حیثیت سے اُن کی ساکھ نے اُنہیں پوزیشن مضبوط بنانے کا موقع فراہم کیا۔ انتخابی مہم کے دوران وہ بیمار پڑ گئے جس کے باعث تحرک برقرار نہ رکھ پائے اور یوں ان کے لیے مشکلات بڑھ گئیں اور پھر وہ ہار گئے۔ دوسری طرف اسلامی چھاترو شِبر کا انتظامی ڈھانچا بہت مضبوط تھا جس کے آگے ٹِکنا بہت مشکل تھا۔

چند ایک ووٹروں نے یہ بھی خیال کیا کہ چھاترا دل نے چھاترا لیگ کی طرح اقتدار پرستانہ پالیسیاں اختیار کیں۔ کالعدم چھاترا لیگ کی سرگرمیوں میں بھتہ خوری بھی نمایاں تھیں۔ وہ لوگوں پر دباؤ ڈال کر کام نکلوانے کی بھی عادی تھی۔ یہی سبب ہے کہ عام طلبہ اس تنظیم سے الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ شاید یہی چھاپ چھاترا دل کے لیے مائنس پوائنٹ بن گئی اور اُسے زیادہ ووٹ نہ مل سکے۔ بہت سے طلبہ کو ایسے ماحول میں اسلامی چھاترو شِبر ایک اچھے متبادل کے طور پر دکھائی دی۔

اسلامی چھاترو شِبر نے میڈیا کے حوالے سے متوازن پالیسی اختیار کی۔ اُس نے میڈیا کے معاملے میں قدرے کم آمیز رویہ اختیار کیا۔ وہ بلند بانگ دعووں پر مبنی کوریج کی قائل نہ تھی۔ اُس نے میڈیا پر پریس کانفرنسیں کرنے کے بجائے

میدان میں جا کر کام کرنا مناسب جانا اور اِس کا پھل بھی پایا۔

اسلامی چھاترو شِبر نے اِس بات کا خاص خیال رکھا کہ اُس کے امیدواروں کے چہرے میڈیا میں زیادہ دکھائی نہ دیں۔ بیشتر پریس کانفرنسیں فرہاد نے کیں جبکہ ابوصادق نے خاموش رہنا اور متوازن طرزِعمل اختیار کرنا مناسب جانا۔

حتمی تجزیے میں جے سی ڈی اور بائیں بازوں کے اتحادوں کی ملی جُلی ناکامی محض تنظیمی سطح پر نہ تھی بلکہ ثقافتی سطح پر بھی تھی۔ اُنھوں نے طلبہ کے مُوڈ کو سمجھنے میں غلطی کی۔ آج کے طلبہ بھاری بھرکم سیاسی اندازِ گفتگو اور بڑھک پر نرم لہجے اور ذاتی نوعیت کے رابطوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسلامی چھاترو شبر نے اِس فرق کو سمجھا اور خود کو اِس کے مطابق ایڈجسٹ کیا جبکہ دیگر تنظیمیں پُرانے انداز یا طریق کار کے مطابق کام کرتی رہیں۔ آزاد امیدوار ربیما چکمہ نے محض اس لیے کامیابی حاصل کی کہ اُس نے سوشل میڈیا پر ہلکا پھلکا، شائستہ مواد پوسٹ کیا اور سیاسی نوعیت کی لیکچر بازی سے گریز کیا۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فی زمانہ طلبہ سے رابطہ کرنے کا انداز کس درجہ اہمیت رکھتا ہے۔

ڈھاکا یونیورسٹی سینٹرل یونین کے انتخابی نتائج کو محض نظریات یا دھاندلی کے الزامات کے ذریعے سمجھا یا سمجھایا نہیں جاسکتا۔ یہ حقیقت ماننا پڑے گی کہ اسلامی چھاترو شبر نے طویل مدّت سے گراؤنڈ ورک پر بہت محنت کی تھی۔ وہ ابلاغ کے شائستہ اور مؤثر انداز کو اپنانے پر یقین رکھتی تھی اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُس کے امیدوار علامتی نوعیت کے تھے۔ ایسے امیدوار سامنے لائے گئے جن کی ساکھ بہت اچھی تھی۔ پولنگ مینجمنٹ نظم وضبط سے عبارت تھی۔ طالبات اور غیر رہائشی طلبہ سے رابطوں کو بھی اسلامی چھاترو شبر نے بہت اہمیت دی۔ اُس کے مقابلے میں جے سی ڈی، بنگلا دیش گنتانترک چھاترا سنگسد، بائیں بازو کے گروپ اور آزاد امیدوار انتخابی اکھاڑے میں دیر سے اترے، بہت حد تک منقسم رہے، سیاسی لب ولہجے پر بہت زیادہ انحصار کیا اور عام طلبہ سے رابطوں میں خصوصی طور پر ناکام رہے۔

ڈھاکا یونیورسٹی سینٹرل یونین کے حالیہ انتخابات کے نتائج کا پیغام بہت واضح ہے: آج کی ڈھاکا یونیورسٹی میں تنظیم، تاثر و اِدراک اور رابطے کے انداز کو پُرانے سیاسی نعروں پر بہت زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ اسلامی چھاترو شبر نے اِس حقیقت کو سمجھنے میں غلطی کی نہ دیر لگائی اور یوں شاندار فتح نے اُس کا رُخ کیا۔

جہانگیر نگر یونیورسٹی

ہفتہ ۱۳ستمبر ۲۰۲۵ کو جہانگیر نگر یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی بار اسلامی چھاترو شبر نے سینٹرل یونین کے انتخابات میں ہمہ گیر نوعیت کی کامیابی حاصل کی۔ اُسے ۲۵ میں سے ۲۰ نشستیں ملیں۔

سونتنو شِکھار تھی سومیلون کے عبدالرشید زیتو نے نائب صدر کا منصب جیتا جبکہ اسلامی چھاترو شبر کے حمایت یافتہ سونیتو شِکھار تھی جوت کے مظہرالاسلام جنرل سیکرٹری کے منصب پر کامیاب ہوئے۔ زیتو نے ۳٫۳۳۴ ووٹ حاصل کیے جبکہ اسلامی چھاترو شبر کے حمایت یافتہ عارف اللہ ادیب کو ۲٫۳۹۲ ووٹ ملے۔

ایم اے انگریزی کے طالبِ علم اور جہانگیر یونیورسٹی میں اسلامی چھاترو شبر کے آفس سیکرٹری مظہرل نے ۳٫۹۳۰ ووٹ لیے جبکہ بنگلا دیش گنتانترک چھاترا سنگسد کے امیدوار ابوتوحید محمد صائم ۱٫۲۳۸ ووٹ لے سکے۔

ادب وثقافت کے تقابلی مطالعے میں ایم اے کے طالبعلم زیتو گزشتہ برس جولائی میں شیخ حسینہ حکومت کے خلاف تحریک چلانے میں کلیدی کردار ادا کرنے والے اسٹوڈنٹس اگینسٹ ڈِسکریمینیشن پلیٹ فارم کے سینٹرل کوآرڈی نیٹر تھے۔ اِس سے قبل وہ جہانگیر نگر یونیورسٹی میں چھاترا لیگ کے ایگزیکٹیو ممبر تھے۔ گزشتہ برس اکتوبر میں چھاترا لیگ پر پابندی لگادی گئی تھی۔

جماعتِ اسلامی پر ایک نظر

جماعتِ اسلامی ۱۹۴۱ میں برطانوی راج کے دوران ہندوستان کے صوبے پنجاب کے علاقے پٹھان کوٹ میں قائم کی گئی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد جماعتِ اسلامی کا صدر دفتر پاکستان منتقل کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ بھارت میں بھی جماعتِ اسلامی کی ملک گیر شاخ قائم کی گئی۔ ۱۹۵۵ء میں سابق مشرقی پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا مشرقی بازو قائم کیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان اور بنگلا دیش کے قیام کے بعد وہاں جماعتِ اسلامی پر پابندی عائد کردی گئی۔ جماعتِ اسلامی کے مشرقی وِنگ نے بنگلا دیش کے قیام کی شدید مخالفت کرتے ہوئے پاکستانی فوج کا ساتھ دیا تھا۔ اِس کی پاداش میں جماعتِ اسلامی کی قیادت اور کارکنوں کو انسانیت سوز مظالم سہنا پڑے۔ بنگلا دیشی حکومت کی نظر میں جماعتِ اسلامی کے لوگ غدّار تھے، اِس لیے عوام میں اِس تاثر اور تصوّر کو خوب پروان چڑھایا گیا کہ جماعتِ اسلامی ملک کا بھلا نہیں چاہتی اور اب بھی پاکستان کی بات کرتی ہے۔

جماعتِ اسلامی کو بنگلا دیش کی نصف صدی کی تاریخ کے ہر دور میں غیر معمولی امتیازی سلوک اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ عوامی لیگ نے سابق مشرقی پاکستان کو بنگلا دیش بنانے کی تحریک چلائی تھی، اِس لیے اُس کا جماعتِ اسلامی کے خلاف ہونا فطری امر ہے۔ گزشتہ برس بنگلا دیش میں شیخ حسینہ واجد کی وزارتِ عظمیٰ کے خاتمے کے بعد عوامی لیگ کو شدید عوامی ردِعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ عوامی لیگ تب سے اب تک عوام کے غیظ وغضب کا سامنا کررہی ہے اور دوسری طرف جماعتِ اسلامی کے لیے سکون وراحت کے ساتھ ساتھ مکمل بحالی کا ماحول بھی پیدا ہوا ہے۔ بنگلا دیشی معاشرے میں اب جماعتِ اسلامی کے لیے قبولیت غیر معمولی، بلکہ قابلِ رشک حد تک بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ برس شیخ حسینہ واجد کی حکومت ختم کرنے میں بھی جماعتِ اسلامی نے کلیدی کردار ادا کیا۔ عوامی تحریک میں جماعتِ اسلامی اور اسلامی چھاترو شبر (اسلامی جمعیت طلبہ) کے لوگ پیش پیش رہے اور یہ بات ملک بھر کے باشندوں نے نمایاں طور پر محسوس کی۔

جماعتِ اسلامی کی چند اہم تاریخیں:

۱۹۴۱: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جماعتِ اسلامی قائم کی۔

۱۹۴۷: اس جماعت کا نیا نام جماعتِ اسلامی پاکستان طے کیا گیا۔

۱۹۵۵: جماعتِ اسلامی پاکستان کا ایسٹ پاکستان ونگ قائم کیا گیا۔

۱۹۷۱: سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد بنگلا دیش کی حکومت نے جماعتِ اسلامی اور دیگر مذہبی جماعتوں پر پابندی عائد کردی۔

۱۹۷۵: بنگا بندھو شیخ مجیب الرحمٰن اور اُن کے اہلِ خانہ کے قتل کے بعد بنگلا دیش جماعتِ اسلامی پر پابندی ختم کردی گئی۔

۱۹۷۹: جنرل ضیاء الرحمٰن کی حکومت نے جماعتِ اسلامی کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دی۔

۱۹۹۰ کا عشرہ: بنگلا دیش جماعتِ اسلامی نے جمہوریت کی بحالی کے لیے دیگر سیاسی جماعتوں سے مل کر کام کیا اور بنگلا دیش نیشنلسٹ پارٹی سے مل کر حکومت تشکیل دی۔

۲۰۰۸: بنگلا دیش جماعتِ اسلامی نے عام انتخابات میں حصہ لیا اور پارلیمنٹ کی ۲ نشستیں حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کیں۔

۲۰۱۰: عوامی لیگ کی حکومت نے ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران نام نہاد جنگی جرائم کے مقدمات چلانے کی ابتدا کی۔

۲۰۱۳: بنگلا دیش کی سپریم کورٹ نے، عوامی لیگ کے دباؤ پر، جماعتِ اسلامی کو انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا۔

۲۰۲۴: شیخ حسینہ واجد کی حکومت نے بنگلا دیش جماعتِ اسلامی پر پابندی عائد کردی۔ یہ پابندی شیخ حسینہ کی حکومت کے ختم کیے جانے کے کئی ماہ بعد ہٹائی گئی۔ (مترجم: ابوصباحت)

"Why Shibir-backed candidates won the DUCSU polls". ("The Daily Star" Dhaka. Sep 10, 2025)

قطر پر اسرائیلی حملہ، عرب دُنیا کے لیے خطرے کی گھنٹی

Mohamad Elmasry

کسی ملک کو اسرائیلی حملے سے محفوظ سمجھنا چاہیے تھا تو وہ قطر تھا۔ ایک چھوٹا ملک جو اسرائیل کے لیے کسی حقیقی خطرے کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ امریکا کا اتحادی اور مشرقِ وسطیٰ میں امریکی افواج کا سب سے بڑا فوجی اڈّہ بھی اِسی کی سرزمین پر قائم ہے۔

مئی میں قطر نے امریکی معیشت میں سیکڑوں ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے کا وعدہ کیا۔ قطر نے خود کو ایک ثالث اور اَمن قائم کرنے والے ملک کے طور پر بھی پیش کیا ہے اور کئی تنازعات میں ثالثی کی ہے۔ صرف گزشتہ ماہ ہی اسرائیلی خفیہ ادارے موساد کے سربراہ کی دوحہ میں قطری حکومت کی جانب سے میزبانی کی گئی، جو غزہ میں طویل عرصے سے جاری جنگ بندی مذاکرات کا حصہ تھا۔ تاہم، یہ تصویر شاید حد سے زیادہ سادہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قطر کو کبھی بھی خود کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے تھا اور نہ ہی خطے کے کسی دوسرے ملک کو ایسا گُمان ہونا چاہیے۔ اسرائیل خود کو ان اصولوں میں قید نہیں کرتا جو ریاستوں کے تعلقات کو منظّم کرتے ہیں۔ یہ بین الاقوامی قوانین کو روندتا ہے، توسیع پسندی کے لیے خدائی مینڈیٹ کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے راستے میں آنے والے ہر ایک کو رکاوٹ سمجھ کر ہٹا دیتا ہے۔

اسرائیلی جارحیت

اسرائیل محض ایک بدمعاش ریاست نہیں ہے جو قانون کی حکمرانی کو نظرانداز کرتی ہو۔ یہ ایک ایسی ریاست ہے جو کھلے عام تمام اصولوں اور روایات کو مسترد کرتی ہے، جس کے رہنما طویل عرصے سے گریٹر اسرائیل کے خواب کو فروغ دیتے آئے ہیں، جو عراق میں دریائے فرات سے لے کر مصر میں دریائے نیل تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ کوئی خفیہ سازش نہیں ہے اور نہ ہی اسے سمجھنے کے لیے مشرقِ وسطیٰ کے اُمور میں اعلیٰ ڈگریوں کی ضرورت ہے۔ بس اسرائیلی سیاست کو سرسری طور پر دیکھ لینا کافی ہے۔ اگست میں اسرائیلی وزیرِاعظم بنیامین نیتن یاہو نے اسرائیلی ٹی وی پر اس منصوبے سے اپنی وابستگی کا اعادہ بھی کیا ہے۔

دہائیوں سے اسرائیل نے متعدد عرب سرزمینوں پر غیر قانونی قبضہ کر رکھا ہے اور فلسطینی عوام کے خلاف نسل کُشی کی مہم جاری رکھی ہے۔ کوئی اور ملک ایسا نہیں جس کے خلاف اقوامِ متحدہ کی اتنی زیادہ قراردادیں منظور کی گئی ہوں۔

گزشتہ ۲ برسوں میں اسرائیل نے غزہ کو برباد کر دیا ہے۔ ۶۴ ہزار سے زائد فلسطینی مارے جا چکے ہیں، جن میں اکثریت عورتوں اور بچّوں کی ہے۔ صحافی اور امدادی کارکن ریکارڈ تعداد میں جاں بحق ہوئے ہیں، جس نے تاریک عالمی ریکارڈ قائم کر دیے ہیں۔ حتیٰ کہ انسانی حقوق کی اسرائیلی تنظیموں نے بھی حال ہی میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے کہ غزہ میں اسرائیل کے اقدامات نسل کُشی کے مترادف ہیں۔

غزہ میں اسرائیل نے نام نہاد ’’ضاحیہ ڈاکٹرائن‘‘ پر عمل کیا ہے، جس کا مقصد شہریوں اور شہری علاقوں کو زیادہ سے زیادہ سزا دینا ہے۔ یہ پالیسی شہریوں کی ہلاکتوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ دانستہ طور پر انہیں نشانہ بناتی ہے۔

اسرائیلی میڈیا کے مطابق اسرائیلی افواج ایک اور ۱۰۰ کے اصول پر کام کر رہی ہیں، یعنی ایک کمانڈر کو نشانہ بنانے کے لیے وہ خود کو ۱۰۰ سے زائد عام شہریوں کو قتل کرنے کا حق دیتی ہیں۔ ایک پروگرام، جسے ’’ویراز ڈیڈی؟‘‘ کہا جاتا ہے، میدانِ جنگ میں لڑنے والوں کو نہیں بلکہ رات گئے اُن کے گھروں کو نشانہ بناتا ہے، تاکہ وہ اپنے خاندان کے افراد سمیت سوتے ہوئے مارے جائیں۔

یہی طرزِ عمل مغربی کنارے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے اسرائیل نے یہاں بڑے پیمانے پر زمینیں ضبط کی ہیں اور قتل و غارت گری کی ہے، جس میں صرف اس سال ایک ہزار سے زائد فلسطینی قتل ہو چکے ہیں اور سیکڑوں عمارتیں مسمار کر دی گئی ہیں۔ یہ سب کچھ ٹرمپ انتظامیہ کی کھلی آشیرباد کے ساتھ باضابطہ انضمام کی جانب بڑھنے کے مترادف ہے۔

فلسطین سے آگے بڑھتے ہوئے اسرائیل نے اپنی جنگی مشین لبنان، شام، یمن اور ایران تک پھیلا دی ہے۔ لبنان میں اس نے اسکولوں کی چھٹّی کے وقت گنجان آبادی والے علاقوں میں دھماکا خیز پیجرز پھاڑ دیے۔ یہ حملہ، جس کا مقصد شہریوں کی تکلیف کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا تھا، سابق سی آئی اے ڈائریکٹر لیون پنیٹا نے اسے ’’دہشت گردی‘‘ قرار دیا۔

اب قطر میں اسرائیل نے ایک نئی حد پار کر لی ہے۔ دوحہ پر حملے میں حماس کے رہنماؤں کے اہلِ خانہ اور ایک قطری افسر جاں بحق ہوئے، حماس نے کہا کہ حملے میں اس کے سینئر رہنما محفوظ رہے۔ قطر نے اس حملے کو ’’بزدلانہ اور مجرمانہ کارروائی‘‘ اور ’’سو فیصد غداری‘‘ قرار دیتے ہوئے اپنی خودمختاری کی کھلی خلاف ورزی کہا۔ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتریس اور پوپ لیو نے بھی اس خطرناک اور بگڑتی ہوئی صورتِ حال پر خبردار کیا۔

منگل کو قطر پر حملے سے کئی سبق حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ اسرائیل جیسی بے قابو ریاست کے خلاف عربوں کی بے توجہی کچھ کام نہیں آتی۔ یہ بالکل واضح ہے کہ دوحہ پر اسرائیلی حملہ عرب اور مسلم ممالک کی گزشتہ دو سال کی کمزوری اور اسرائیلی جارحیت کے سامنے ان کی خاموشی کا نتیجہ ہے۔

ان حکومتوں نے غزہ، مغربی کنارے اور پورے مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کے جرائم کے جواب میں کچھ نہیں کیا۔ دہائیوں سے اسرائیل یہ سیکھ چکا ہے کہ وہ جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے، کر سکتا ہے اور عرب رہنماؤں کی طرف سے کوئی مزاحمت یا آواز بلند نہیں ہوگی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ کچھ طاقتور عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات مزید مضبوط کر رہے ہیں۔ صرف تین ہفتے قبل مصر، جو سب سے بڑا عرب ملک اور سب سے مضبوط فوج رکھتا ہے، نے اسرائیل کے ساتھ ایک بڑا گیس معاہدہ کیا جس کے تحت آئندہ پندرہ سالوں میں اسے ۳۵ ارب ڈالر کی گیس فراہم کی جائے گی۔

یہ حملہ قطر اور امریکا کے حوالے سے بھی کئی سوالات کھڑے کرتا ہے۔ آخر ایک اتنی بڑی امریکی سینٹرل کمانڈ بیس کا مقصد کیا ہے، خاص طور پر اگر وہ اپنے ہی اتحادی کو اس ملک پر حملہ کرنے سے نہ روک سکے جو اسے میزبانی فراہم کر رہا ہے؟

ایک اور سوال امریکا سے متعلق ہے۔ رپورٹس کے مطابق ٹرمپ انتظامیہ نے خود اس حملے کی ’منظوری‘ دی تھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اب وقت نہیں آ گیا کہ عرب ممالک بالآخر واشنگٹن سے آگے دیکھیں، شاید روس، چین یا کسی اور طرف؟

یقیناً امریکی حکومت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، چاہے وہ ریپبلکن ہو یا ڈیموکریٹ۔ بائیڈن انتظامیہ نے غزہ میں پندرہ ماہ کی نسل کُشی کے دوران اسرائیل کو مکمل سفارتی اور فوجی حمایت فراہم کی، مگر کبھی جنگ ختم کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالا۔ دوسری جانب، ٹرمپ کی ٹیم میں ایسے صیہونی موجود ہیں جو ’’گریٹر اسرائیل‘‘ کے منصوبے کے لیے خود کئی اسرائیلیوں سے زیادہ پُرعزم ہیں۔

باقی صفحہ نمبر ۱۵

علمِ و تحقیق کی مطلوبہ سمت

سید شاہد ہاشمی

زیرِ نظر مضمون "اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی" کی شائع کردہ کتاب "تہذیبی کشمکش میں علم و تحقیق کا کردار" کا پیش لفظ ہے۔ مضمون کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر اسے "معارف فیچر" میں شائع کیا جارہا ہے۔ تِشنگانِ علم و تحقیق کے لیے یہ اہم کتاب پہلی بار اردو اور انگریزی زبان میں یکجا شائع کی جارہی ہے۔

۲۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو کراچی میں ادارۂ معارف اسلامی (Islamic Research Academy) کی افتتاحی تقریب میں ادارے کے بانی صدرنشین (Founder Chairman) حضرت مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اہلِ علم و دانش کے سامنے ایک یادگار اور رہنما تقریر فرمائی تھی۔ یہ تقریر وقت و حالات کے دَبیز پَردوں میں گُم ہوگئی تھی۔ لیکن ہمارے کُتب خانے میں اس کا ایک نُسخہ موجود تھا۔ ہم نے اِس تقریر پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ یہ آج بھی اُتنی ہی تازہ، فکرانگیز اور چشم کُشا ہے، جتنی ۱۹۶۳ء میں تھی۔ افسوس کہ سیّدِ محترم کے یہ ارشادات دِل و نظر سے اُتر گئے یا ہم اِن سے غافل رہے۔ اِسی احساس کے پیشِ نظر ہم یہ قیمتی دستاویز ازسرِنو شائع کر کے ملّتِ اِسلامیہ کے صاحبانِ فکر و نظر اور اہلِ علم و دَانش کی نذر کر رہے ہیں۔ اِس غیر مُبہم' شفّاف اور صاف گو آئینہ کے رُوبرو ہم صورتِ حال کو دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں اور اگر اللہ توفیق دے تو اِقدامات بھی کر سکتے ہیں۔

سیّد مودودیؒ نے نہ صرف مذکورہ بالا تقریر میں، بلکہ اپنی تحریروں میں بھی جابجا یہ فرمایا ہے کہ دُنیا میں کوئی قوم، گروہ، مِلّت، تحریک اُس وقت تک نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ اپنا مقام برقرار رکھ سکتی ہے، جب تک کہ اُس میں علم و فکر اور تحقیق و جستجو کی خُو نہ ہو، ذَوق نہ ہو اور وہ اِسے اپنی ترجیحات میں سرِفہرست نہ رکھے۔ علم و تحقیق سے خالی گروہ اور قوم کھوکھلی اور بُودی ہوتی ہے۔ نہ اُس کا کوئی وَزن ہوتا ہے اور نہ اُس کا دیرپا اثر۔

بدقسمتی سے ملّتِ اسلامیہ کئی صدیوں سے علم و فکر اور تحقیق و جستجو کے میدان سے باہر ہے اور آج کی اِستعماری و اِستبدادی قوتیں اِسے سمجھا بھی رہی ہیں کہ یہ میدان اُس کے بس کا ہے ہی نہیں۔ "یہ کام ہمارا ہے، ہمارے بس میں ہے اور ہم ہی کو زَیب دیتا ہے۔ آپ تو بس صارف (Consumer) بَن کر رہیں یا ہمارے فرمُودات کی جُگالی کا افتخار حاصل کریں"۔ اِسی لیے آج ہمارے مُلک کی جامعات محض دَرس گاہیں (Schools) بن چکی ہیں، یہ مراکزِ تحقیق نہیں ہیں۔ تحقیق کے نام پر قائم سرکاری ادارے بھی بے سَمت، بے رُوح' بے جان اور بے کار ہو چکے ہیں۔ نجی طور پر قائم تحقیقی اداروں کا تو اَب جینا بھی محال کر دیا گیا ہے۔ 'ادارۂ معارف اسلامی' بھی اِس سے مستثنیٰ نہیں، جو قلتِ مردانِ کار اور تنگیٔ وسائل کا شکار ہے۔

ہمارے مُعاشرے میں ذوقِ علم و آگہی تو پہلے بھی کم ہی تھا۔ اب زر پرستی، فکری جمُود پر اِصرار اور ناک سے آگے نہ دیکھ سکنے کے مَرض نے اِس کمیاب ذَوق کا گویا قلع قمع کر دیا ہے۔ جب کہ بیرونی امداد کے سہارے تحقیق کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ مغربی اَفکار و اَقدار کی بھَنگ گھوٹنے اور ہمارے جسدِ ملّی میں اُنڈیل دینے کی کاوش کے سِوا کچھ اور نہیں۔ اِسے فکری تشدّد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن اِس "فکری بدرَاہی" کا مقابلہ جنھیں کرنا چاہیے، سوال یہ ہے کہ کیا وہ ایسا کر رہے ہیں؟ بلکہ اِنہیں اس ضرورت کا کماحقہٗ احساس بھی ہے؟ کیا ہمارا مُعاشرہ اور خصوصاً اِس میں برپا اِسلامی قوتیں اپنے مردانِ کار اور دستیاب وسائل کا کوئی قابلِ لحاظ حصّہ علم و تحقیق و جستجو کی نذر بھی کر رہی ہیں یا یہ کام بھی فرشتوں کے سپرد سمجھ لیا گیا ہے؟

اِسلامیوں کی پچھلی نسل نے اِلحاد و اِشتراکیت اور سیکولرازم کا مقابلہ صرف سیاسی طور پر نہیں کیا تھا، بلکہ علم و نظر اور دَلیل و بُرہان کے میدانوں میں بھی محسوس پیش رَفت کی تھی۔ اس جدوجہد کی کامیابی اس صورت میں نظر آئی کہ اسلام زندگی کا محض ایک شعبہ، ایک نجی اور محدود معاملہ نہیں رہا۔ یہ ہیئتِ اجتماعیہ کا محور بلکہ خود "زندگی" بن گیا، اپنی تمام تر وُسعتوں کے ساتھ پوری زندگی۔۔۔ کم از کم نظری اور اُصولی طور پر۔۔۔!! یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی گروہ اور کوئی سیاسی پلیٹ فارم ایسا نہ رہا جو اسلام کو عدلِ اجتماعی کی بنیاد نہ کہتا ہو۔ یہ کامیابی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ بھی تھی اور اس کی پُشت پر بالخصوص اُس فکری و علمی جہاد کا سرمایہ بھی تھا جو سیّد مودودیؒ کی قیادت میں اِس سرزمین پر برپا کیا گیا۔

تاریخ کا یہ اہم سوال ہے اور اس کا جواب مستقبل میں کسی نہ کسی کو دینا ہوگا کہ پھر آخر کیا ہوا کہ جو جنگ جیتی جاچکی تھی، وہ دوبارہ کیوں دَرپیش ہوگئی ہے؟ ہماری مراد آج کے پاکستانی مُعاشرے کے فکری و نظری اِبہامات سے ہے۔ بدقسمتی سے آج پھر ہمارے معاشرے کے مؤثر طبقات کے درمیان ہیئتِ اجتماعیہ میں اسلام کے مقام کی بحث چھڑ گئی ہے۔ آج پھر یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوا ہے کہ ریاست اور اس کے اداروں کی تشکیل و کارفرمائی میں مذہب کا کیا اور کتنا عمل دخل ہوگا؟ اگرچہ کہ یہ بات اتنی واضح اور اتنے سادہ طریقے سے نہیں کہی جاتی۔ مگر طبقاتِ عالیہ (Elite Class) اور پالیسی اُمور پر حاوی ہیئتِ مقتدرہ کی طرف سے جو کچھ کہا اور اس سے بڑھ کر کیا جارہا ہے، وہ ہمارے معاشرے، ہماری ریاست اور پوری ہیئتِ اجتماعیہ کی سیکولرائزیشن کا عمل ہے۔ مغربی تہذیب وتمدّن، اِس کی اَقدار و اَفکار اور اِس کا نظامِ ترجیحات ہمارے

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی کی تاسیس کے موقع پر
سیدابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وقیع اور یادگار تقریر کتابی صورت میں

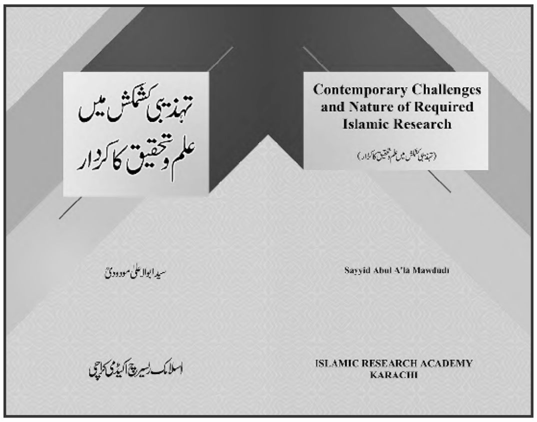

انگریزی پیش لفظ: پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

قیمت : صرف 300 روپے — خصوصی رعایت: 30%

علمی، فکری اور تہذیبی کشمکش کے اس دور میں فکری اور دینِ اسلام کے سرمائے کی آبیاری کے لیے اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی کی شائع کردہ دیگر کتب سے خود بھی مستفید ہوں اور احباب کو بھی اس کے لیے راغب کریں۔

ابھی طلب کیجیے! اکیڈمی بک سینٹر

ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔فون: ۳۶۳۴۸۰۲۰ (۹۲۔۲۱)
برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk

ہاں عملاً قبول کرلیا گیا ہے۔قوم میں اِس رَوش کی مخالفت جو کچھ بھی ہے، وہ زبانی ہے، سیاسی ہے، جذباتی ہے، سطحی ہے۔۔۔جب کہ اِس چیلنج کا مقابلہ علم ودانش، فہم وبصیرت، تحقیق وجستجو، دلیل وبرہان اور اِس کے پہلو بہ پہلو طویل و مسلسل سیاسی جدّوجہد کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔گویا ایک ہمہ پہلو چیلنج ہے، چومکھی لڑائی ہے۔اس کا مقابلہ بھی ہمہ پہلو اور چومکھی حکمتِ عملی کا متقاضی ہے۔جب کہ اِس راستے میں ایک بڑی چٹان فکری جمود اور تحقیق وجستجو سے گریز بھی ہے، بالکل اُسی طرح جیسے تہذیبِ حاضر کی فُسوں کاری سے عام مرعوبیت ایک مصیبت ہے۔

طوالت سے بچنے کی خواہش کے باوجود ہم مزید عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آج کے تہذیبی وفکری چیلنجوں کا سامنا ہم اپنی فکر میں تازگی، قلب میں کُشادگی اور رویّوں میں شگفتگی پیدا کیے بغیر نہیں کرسکتے۔یہ کام اُس وقت تک نہیں ہوسکے گا جب تک ہمارے ذہین اور مالدار طبقات علمی وفکری و تحقیقی سرگرمیوں کی سرپرستی نہیں کریں گے۔یہاں سرپرستی سے یہ بھی مراد ہے کہ اس محاذ پر پیسہ اُسی طرح لگایا بلکہ بہایا جائے جس طرح اہلِ مغرب اپنی فکری پیش رفت کے لیے بے دَریغ لُٹا رہے ہیں۔۔۔اور سرپرستی میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم اپنے بچّوں میں نسبتاً ذہین افراد کو اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے میدان کی طرف بھیجیں، خصوصاً عمرانی علوم (Social Sciences) کے لیے۔کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر خوشحال خاندان اپنے ایک لائق تر فرزند کو دینی وعمرانی علوم میں سے کسی ایک میں مہارت اور تحقیق وجستجو کے اعلیٰ مدارج تک رَسائی کے لیے وقف کردے اور اس کے مَعاشی مفادات کو اپنی فیملی کے کاروبار میں پوری طرح محفوظ بھی رکھے تاکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ علم وفکر کا بلند مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا رہے؟ علم وفکر اور تحقیق وجستجو کا کام اپنے ہاں کی کم تر ذہنی اِستعداد رکھنے اور دال روٹی کے لیے بھی فکر مند رہنے والی ناآسودہ شخصیات کے سپرد کرکے ہم نہ مغرب کی اِبلیسی تہذیب کا علمی وفکری توڑ کرسکیں گے اور نہ اسلام کی علم ودانش میں بھی برتری کا سکّہ جما سکیں گے۔ایسی کُھلی اور بَدیہی بات کے باوجود اگر کوئی مغرب کی ٹھوکر کھا کر از خود گرنے اور اس کے نتیجے میں ملّتِ اسلامیہ کے خود بخود اُبھر آنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو تو اُسے اِس سحرستان (Fantasy) سے نکلنے پر کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔

غزہ اِمدادی مراکز پر مامور امریکی گینگ

Andy Verity, Tom Beal & Will Dahlgreen

'بی بی سی' کی ایک تحقیق سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ غزہ میں امدادی مراکز کی حفاظت پر مامور ایک نجی کمپنی نے اپنی مسلح سکیورٹی ٹیم میں امریکا کے ایک ایسے بائیکر گینگ کے ارکان کو شامل کر رکھا ہے، جن کی اسلام دشمنی عیاں ہے۔

'بی بی سی' نے تصدیق کی ہے کہ Infidels Motorcycle Club کے دس ارکان غزہ میں UG Solutions نامی نجی ادارے کے تحت کام کررہے ہیں۔یہ ادارہ غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن (GHF) کے مراکز پر سکیورٹی فراہم کرتا ہے، جہاں سیکڑوں افراد بھوک کے باعث امداد حاصل کرنے کی کوشش میں بہیمانہ فائرنگ سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔

تحقیق میں مزید انکشاف ہوا کہ اس گروہ کے سات ارکان سینئر عہدوں پر فائز ہیں اور اسرائیل اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے حمایت یافتہ ہیں، وہ اس متنازع امدادی آپریشن کے مختلف مقامات کی نگرانی کررہے ہیں۔

یوجی سلوشنز نے اپنے عملے کے انتخاب کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ وہ کسی فرد کو اس کی ''ذاتی دلچسپیوں یا غیرمتعلقہ وابستگیوں'' کی بنیاد پر مسترد نہیں کرتے، بشرطیکہ اس کی پیشہ ورانہ کارکردگی متاثر نہ ہو۔غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن نے وضاحت کی کہ اس کی ''نفرت انگیز یا امتیازی رویوں اور سرگرمیوں کے لیے صِفر برداشت'' کی پالیسی ہے۔

انفیڈلز موٹر سائیکل کلب ۲۰۰۶ء میں عراق جنگ میں شریک امریکی فوجیوں نے قائم کیا تھا۔اس گروہ کے ارکان خود کو جدید دور کے ''صلیبی جنگجو'' تصور کرتے ہیں اور ''صلیبی جنگجوؤں کی مخصوص صلیب'' کو اپنا نشان بنائے ہوئے ہیں، جو اُن مسیحی لشکروں کی علامت تھی جنھوں نے قرونِ وسطیٰ میں بیت المقدس پر قبضے کے لیے مسلمانوں سے جنگیں لڑیں۔

یہ گینگ اپنے فیس بک صفحے پر اسلام مخالف نفرت انگیز بیانات نشر کرتا ہے اور ماضی میں رمضان المبارک کے خلاف احتجاجاً ''سُور کا گوشت کھانے کی دعوت'' کا اہتمام بھی کرچکا ہے۔

امریکا کی معروف مسلم سول رائٹس تنظیم کونسل آن امریکن۔اسلامک ریلیشنز (CAIR) کے ڈپٹی ڈائریکٹر ایڈورڈ احمد مچل نے کہا کہ ''غزہ میں انسانی امداد کی ترسیل کے لیے انفیڈلز بائیکر کلب کو ذمہ دار بنانا ایسا ہی ہے جیسے سوڈان میں یہ ذمہ داری Ku Klux Klan کو سونپ دی جائے۔یہ سراسر ناقابلِ فہم فیصلہ ہے''۔

ان کا مزید کہنا تھا کہ ''یہ اِقدام لازمی طور پر تشدّد کو جنم دے گا، اور یہی کچھ ہم غزہ میں ہوتا دیکھ رہے ہیں''۔

اس گروہ کا سربراہ جانی ''ٹاز'' مَل فورڈ (Johnny "Taz" Mulford) امریکی فوج کا سابق سارجنٹ ہے، جسے رشوت، چوری اور فوجی حکّام سے جھوٹے بیانات دینے کے جُرم میں سزا مِل چکی ہے۔مئی سے اگست تک وہ یوجی سلوشنز کے غزہ میں کنٹریکٹ کے ''کنٹری ٹیم لیڈر'' کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔

'بی بی سی' نے جب انفیڈلز موٹر سائیکل کلب سے تبصرے کی درخواست کی تو جانی مل فورڈ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت دی کہ کسی قسم کا جواب نہ دیا جائے، لیکن غلطی سے 'رِپلائے آل' پر کلک کرنے کے باعث 'بی بی سی' کو بھی وہ ای میل موصول ہوگئی، جس میں کلب کے کئی ارکان کے نام اور ای میل ایڈریس ظاہر ہوگئے۔ان میں بعض وہ اہلکار بھی شامل تھے جو غزہ میں کام کررہے تھے۔

مزید تحقیق اور یوجی سلوشنز کے اندرونی ذرائع کی گواہی کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ مل فورڈ نے انفیڈلز کلب کے کم از کم دس ارکان کو غزہ میں اپنے ساتھ ملازمت پر رکھا۔

ان میں مل فورڈ کے علاوہ تین اعلیٰ عہدیدار شامل ہیں جو غزہ میں یوجی سلوشنز کے سینئر مناصب پر فائز تھے لیری ''جے۔راڈ'' جیریٹ، جو انفیڈلز کا نائب صدر ہے اور لاجسٹکس کے شعبے کا انچارج تھا۔بل ''سینٹ'' سیپے، جو کلب کا قومی خزانچی ہے اور غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن کے چار ''محفوظ تقسیم مراکز'' میں سے ایک کے سکیورٹی انچارج کے طور پر کام کررہا تھا۔رچرڈ ''اے۔ٹریکر'' لوفٹن، جو کلب کے بانی ارکان میں سے ایک ہے اور دوسرے امدادی مرکز پر ٹیم لیڈر کے طور پر مامور تھا۔

خفیہ دستاویزات، اوپن سورس معلومات اور سابق کنٹریکٹرز کی شہادت سے مزید چھ بائیکر ارکان کی شناخت بھی ہوگئی جو غزہ میں ملازمت پر رکھے گئے۔ان میں سے تین افراد مسلح سکیورٹی ٹیموں کے سربراہ یا نائب سربراہ ہیں۔تاہم جیریٹ، سیپے اور لوفٹن نے 'بی بی سی' کی درخواستوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

یوجی سلوشنز نے دعویٰ کیا کہ وہ ''جامع بیک گراؤنڈ چیک'' کرتے ہیں اور صرف ''قابلِ اعتماد افراد'' کو تعینات کرتے ہیں۔لیکن ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ جیریٹ دو سال قبل امریکا میں شراب پی کر گاڑی چلانے کے الزام میں گرفتار ہوچکا ہے اور اس سے تقریباً ایک دہائی پہلے بھی اسی الزام کا

سامنا کر چکا ہے۔ یہ واضح نہیں کہ ان مقدمات کا کیا فیصلہ ہوا۔

مزید یہ کہ یو جی سلوشنز کے بانی و چیف ایگزیکٹو جیمیسن گووونی کو اس سال نارتھ کیرولائنا میں مبیّنہ طور پر ایک ''ہِٹ اینڈ رن'' حادثے اور پولیس سے فرار کی کوشش پر گرفتار کیا گیا۔ گووونی انفیڈلز کلب کا رکن نہیں ہے اور اس نے اس معاملے پر بات کرنے سے انکار کر دیا۔

اب تک صرف مل فورڈ ہی انفیڈلز کلب سے وابستہ شخص کے طور پر شناخت ہوا تھا، لیکن 'بی بی سی' کی تفتیش نے یہ ظاہر کیا کہ اس نے اپنے کلب کے ساتھیوں کو بڑی تعداد میں بھرتی کیا، بالخصوص ان مناصب پر جو بہتر تنخواہوں والے تھے اور مسلح سکیورٹی ٹیموں کی قیادت سے متعلق تھے۔

سوشل میڈیا پوسٹس سے پتا چلتا ہے کہ مئی میں، غزہ روانگی سے صرف دو ہفتے قبل، مل فورڈ نے اپنے فیس بک فالوورز میں سے امریکی فوجی سابقین کو بھرتی کرنے کی دعوت دی۔ اس نے لکھا: ''جواب بھی نشانہ لگا سکتے ہیں، حرکت کر سکتے ہیں اور بات چیت کر سکتے ہیں، وہ رابطہ کریں'۔

سابق کنٹریکٹر کے مطابق، یو جی سلوشنز کے کل ۳۲۰ ملازمین میں سے تقریباً ۴۰ انفیڈلز موٹر سائیکل کلب سے بھرتی کیے گئے تھے۔ دستاویزات کے مطابق، یو جی سلوشنز ہر کنٹریکٹر کو یومیہ ۹۸۰ ڈالر (۷۲۰ پاؤنڈ) ادا کرتا ہے، جبکہ ٹیم لیڈرز کی تنخواہ ۱۵۸۰ ڈالر (۱۱۶۰ پاؤنڈ) یومیہ تک پہنچتی ہے۔

غزہ میں سکیورٹی ٹیم کے ایک لیڈر جوش ملر نے فیس بک پر ایک تصویر پوسٹ کی جس میں کنٹریکٹرز کا گروپ ''میک غزہ گریٹ اگین'' (Make Gaza Great Again) کے نعرے والے بینر کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ بینر اس کی اپنی کمپنی کا اشتہار تھا، جو ٹی شرٹس اور کپڑے فروخت کرتی ہے۔ ان میں ایک پر ''تشدد کو گلے لگاؤ'' اور دوسرے پر ''سارا دن سرفنگ، ساری رات راکٹ، غزہ سمر ۲۵'' درج ہے۔

ملر کی کمپنی نے ایک ویڈیو بھی جاری کی جس میں اسلحہ استعمال کرنے کے مناظر دکھائے گئے اور پیغام دیا گیا: ''یاد رکھو، ہمیشہ گولی چلاتے رہو جب تک خطرہ ختم نہ ہو جائے''۔

ملر کے ہاتھوں کی انگلیوں پر Crusader اور انگوٹھوں پر ۱۰۹۵ کا ٹیٹو کندہ ہے۔ ۱۰۹۵ وہ سال ہے جب پوپ اربن دوم نے پہلی صلیبی جنگ کا آغاز کیا اور مسلمانوں کو ''گھٹیا نسل'' قرار دیا۔

انفیڈلز موٹر سائیکل کلب اپنے فیس بک صفحے پر ''۱۰۹۵'' والی ٹوپی فروخت کرتا ہے جسے وہ صلیبی جنگوں کے آغاز کی علامت قرار دیتے ہیں۔ یہ وہ مہم تھی جس میں مغربی یورپی افواج نے یروشلم اور فلسطین پر مسلمانوں کا قبضہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

مل فورڈ، جو کلب کا لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ فلوریڈا میں ''انفیڈلز ایم سی'' کمپنی کا رجسٹرڈ ایجنٹ بھی ہے، نے اپنے جسم پر ۱۰۹۵ کا ٹیٹو بنوا رکھا ہے۔ اس کے بازوؤں پر صلیبی جنگجوؤں کی مخصوص صلیب اور ''انفیڈلز'' کے الفاظ کندہ ہیں۔

ایڈورڈ احمد مچل (CAIR) نے کہا کہ ''جب آج کے دور میں اسلام مخالف انتہا پسند ۱۰۹۵ یا صلیبی جنگوں کا جشن مناتے ہیں تو دراصل وہ مسلمانوں کے قتلِ عام اور یروشلم سے مسلمانوں اور یہودیوں کے صفائے کا جشن مناتے ہیں''۔

ان کے مطابق یہ گروہ انہی اسلام مخالف نفرت انگیز جماعتوں کی طرز پر چل رہا ہے جو دہائیوں سے ''انفیڈلز'' کے نام کا استعمال کرتی رہی ہیں۔

گینگ کے اسلام مخالف رجحانات میں ایک ایسا پمفلٹ بھی شامل ہے جس میں رمضان المبارک کے دوران ''سوّر کا گوشت کھانے کی دعوت'' کا اعلان کیا گیا تھا۔ بی بی سی نے یہ پمفلٹ ایک محفوظ شدہ ویب صفحے پر دریافت کیا۔ اس میں درج ہے کہ ''اسلامی مہینے رمضان کی صریح مخالفت میں۔۔۔ ہم آپ کو انفیڈلز ایم سی کولوراڈو اسپرنگز چیپٹر کی اوپن بائیک پارٹی اور سوّر کا گوشت کھانے کی دعوت دیتے ہیں''۔

اس پمفلٹ میں ایک خاتون کی تصویر بھی موجود ہے جس نے برقعہ اوڑھا ہوا ہے، مگر گردن سے نیچے اس برقعے کو پھاڑ دیا گیا ہے اور اس کا جسم عریاں دکھایا گیا ہے۔

اسی طرح، انفیڈلز ایم سی کے فیس بک صفحے پر بھی واضح طور پر اسلام مخالف اور نفرت انگیز مباحث شائع کیے گئے ہیں۔ ۲۰۲۰ء میں اس کلب نے ایک جعلی اور طنزیہ خبر کا لنک شیئر کیا، جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ چار امریکی ڈیموکریٹ سیاستدانوں (جن میں سے دو مسلمان تھے) چاہتے ہیں کہ بائبل کو ''نفرت انگیز تقریر'' (hate speech) قرار دیا جائے۔

اس فیس بک گروہ کے اراکین کی جانب سے کیے گئے تبصروں میں شامل تھا: ''میں اپنی میگزین کو مکمل طور پر گولیوں سے بھر رہا ہوں۔ یہ پہلا موقع نہیں کہ ہمارا مسلمانوں کے ساتھ ٹکراؤ ہو''۔ ''ان نکمّے اور بے وُقعت لوگوں کو جلا وطن کر کے کسی پسماندہ تیسرے درجے کے گندے ملک میں بھیج دو جہاں وہ بائبل مقدس سے ناراض نہ ہوں''۔

اور ایک اور تبصرے میں مسلمانوں اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں نہایت توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے۔

بدھ کے روز تک یہ تمام تبصرے انفیڈلز ایم سی کے فیس بک صفحے پر موجود تھے۔

انفیڈلز ایم سی کی ویب پر ایک وقت میں وہ لوگو بھی نمایاں کیا جاتا رہا ہے جو مارول کامکس کے پُرتشدد کردار Punisher سے منسوب ہے۔ یہ علامت بالادست سفید فام گروہوں نے بھی اپنائی ہوئی ہے۔ اس لوگو پر عربی رسم الخط میں ''کافر'' لکھا گیا تھا، جس کا ترجمہ ''انفیڈل'' کے طور پر کیا جا سکتا ہے۔

غزہ میں امداد کی تقسیم کے مراکز پر مئی کے آخر سے افراتفری اور خطرے کے مناظر معمول کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ دو ستمبر تک، اقوامِ متحدہ کے دفتر برائے انسانی اُمور (OCHA) کے مطابق، غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن (GHF) کے مراکز کے قریب خوراک کے حصول کی کوشش میں ۱۱۳۵ بچے، خواتین اور مرد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اقوامِ متحدہ نے کہا ہے کہ زیادہ تر یہ ہلاکتیں اسرائیلی سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں ہوئیں۔ اسرائیلی فوج (IDF) کی جانب سے کہا گیا ہے کہ امداد کے حصول کے دوران عام شہریوں کو پہنچنے والے نقصان کے واقعات کا حکام کی جانب سے جائزہ لیا جا رہا ہے۔

یو جی سلوشنز نے ان الزامات کی تردید کی ہے کہ اس کے سکیورٹی کنٹریکٹرز نے عام شہریوں پر فائرنگ کی اور یہ کہ خوراک کے متلاشی افراد کو خطرے میں ڈالا گیا۔ تاہم کمپنی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے فائرنگ ضرور کی گئی۔

شمالی کیرولائنا میں قائم یو جی سلوشنز نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ جانی مَل فورڈ ایک ''باعتماد اور قابلِ احترام شخصیت'' ہیں، جنہیں امریکا اور اس کے عالمی اتحادیوں کی معاونت میں ۳۰ برس سے زیادہ کا تجربہ حاصل ہے۔ کمپنی نے کہا کہ ''ہم ان کی شہرت، کارکردگی اور پیچیدہ مشنز کی کامیابی میں ان کی خدمات کے ساتھ کھڑے۔''

یو جی سلوشنز (UGS) نے کہا کہ ''ہم ملازمت کی کارکردگی یا سکیورٹی کے معیارات سے غیر متعلقہ ذاتی مشاغل یا وابستگیوں کی بنیاد پر کسی کو مسترد نہیں کرتے۔ ہر ٹیم ممبر کی مکمل جانچ کی جاتی ہے اور صرف اہل اور تصدیق شدہ افراد ہی یو جی سلوشنز کے منصوبوں میں تعینات کیے جاتے ہیں''۔

GHF نے کہا کہ وہ غزہ میں امداد فراہم کرنے اور مقامی لوگوں کا اعتماد جیتنے کے لیے ''ہر پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد'' پر انحصار کرتی ہے۔ فاؤنڈیشن کے مطابق ''ہمارے مراکز پر امداد فراہم کرنے والی ٹیم متنوع ہے، اور اسی وجہ سے کامیاب بھی ہے۔ (مترجم: محمود الحق صدیقی)

"Anti-Islamic US biker gang members run security at deadly Gaza aid sites". ("bbc.com". September 10, 2025)

ٹرمپ پالیسیاں امریکی عالمگیریت کے لیے خطرہ

ملیحہ لودھی

شنگھائی تعاون تنظیم کا اجلاس ایک ایسے وقت میں منعقد ہوا کہ جب جغرافیائی سیاسی میدان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں زیادہ تر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی خلل ڈالنے والی پالیسیوں کی بدولت ہوئی ہیں جنہوں نے ٹیرف جنگ چھیڑ کر عالمی تجارت کو ہلا کر رکھ دیا ہے جبکہ اس نے واشنگٹن کی جغرافیائی سیاسی ترجیحات کو بھی ترتیب دیا ہے۔

امریکی صدر نے اپنی جارحانہ پالیسیوں کا اِطلاق اتحادیوں اور مخالفین، دونوں پر کیا ہے جس نے اُنہیں ایک دوسرے کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کرنے کی ترغیب دی ہے جبکہ وہ اب بھی ان اضافی ٹیکسوں کو کم کرنے کے لیے امریکا کے ساتھ معاہدے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ٹرمپ کے ہتھکنڈوں نے چین اور روس کو ایک دوسرے کے مزید قریب کر دیا ہے۔ بھارت پر اس کے تجارتی حملے اور روسی تیل کی درآمد پر جرمانہ عائد کرنے نے نئی دہلی کے ساتھ کئی دہائیوں پر مشتمل اسٹریٹجک تعلقات کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس پیشرفت نے بھارت کو مجبور کیا ہے کہ وہ چین کے ساتھ رابطہ کرے اور تعلقات کو بہتر کرے۔ یہ بھی بنیادی وجہ ہے کہ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے شنگھائی تعاون تنظیم کے سربراہی اجلاس میں شرکت کے لیے ۷ سالوں میں اپنا پہلا دورۂ چین کرنے کا فیصلہ کیا۔

ان واقعات نے شنگھائی تعاون تنظیم کے اعلیٰ سطح اجلاس کے ماحول کو تشکیل دیا۔ ۲۰۰۱ء میں اس یوریشین گروپ کی تشکیل کے بعد سے یہ سب سے بڑا اجلاس تھا۔ اس میں ۱۰؍رکن ممالک اور دیگر ۱۶؍مبصر یا ڈائیلاگ شراکت دار ممالک کے ساتھ ساتھ ۱۰؍بین الاقوامی تنظیموں کے سربراہان نے شرکت کی۔

ایس سی او علاقائی سلامتی اور اقتصادی تعاون پر مرکوز ایک گروپ ہے جو دنیا کی ۴۰ فیصد سے زیادہ آبادی کی نمائندگی کرتا ہے اور عالمی معیشت کے ایک چوتھائی حصے کا ذمہ دار ہے۔

اس سربراہی اجلاس نے چینی صدر شی جن پنگ کو عالمی نظام کے لیے ایک متبادل نقطۂ نظر کا تعین کرنے کا موقع فراہم کیا جو ٹرمپ کی تصادم کی پالیسیوں کے برعکس تعاون پر زور دیتا ہے۔ ٹرمپ کے اقدامات سے پیدا ہونے والے غیر مستحکم بین الاقوامی منظرنامے میں، چین نے استحکام، زیادہ ذمہ دار اور قابلِ اعتماد عالمی قیادت اور گلوبل ساؤتھ کے لیے ایک مضبوط آواز بننے کی پیشکش کی۔

یہ سربراہی اجلاس علامتی اعتبار سے اہم تھا کیونکہ اس نے دنیا، خاص طور پر امریکا کو مضبوط پیغامات بھیجے۔ اس نے ترقی پذیر ممالک کے درمیان اتحاد کا مظاہرہ کیا جبکہ جیسا کہ کچھ لوگوں نے کہا، یہ اجلاس 'جغرافیائی سیاسی نقشے کو دوبارہ ترتیب دینے' کے لیے سائیڈ لائنز پر ہونے والی دوطرفہ ون آن ون ملاقاتوں کے لیے اہم تھا۔

چینی صدر نے اپنی تقریر میں ایک منصفانہ، زیادہ مساوی بین الاقوامی نظام کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے بین الاقوامی گروپس کے ذریعے مل کر کام کرنے کے لیے چین کی حمایت کے عزم کو دہرایا اور کہا کہ اس حوالے سے اقوام متحدہ کو مرکزی کردار ادا کرنا چاہیے۔ نام لیے بغیر امریکا کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انہوں نے بعض ممالک کی جانب سے 'غنڈہ گردی' کے رویے کو مسترد کیا اور 'سرد جنگ' کی فرسودہ ذہنیت کی مذمت کی جو 'دنیا کو خوفزدہ کرتی رہتی ہے'۔

انہوں نے کچھ ممالک کی 'تسلّط پسندی کے خلاف واضح مؤقف' اپنانے کا مطالبہ کیا جبکہ ایسے نظام کو مسترد کرنے پر زور دیا کہ جس میں 'ایک ملک دیگر کے ساتھ کام کیے بغیر اپنے طور پر فیصلے کرتا ہے (یونی لیٹرل)'۔

جس طرح سے دنیا کو منظم کیا جا رہا ہے، صدر شی جن پنگ نے اسے ایک اہم دوراہے پر قرار دیا ہے۔ انہوں نے 'گلوبل گورننس انیشیٹو' کے نام سے ایک منصوبہ متعارف کروایا جس کے تحت بین الاقوامی قوانین کی پیروی اور اس بات کو یقینی بنانے پر زور دیا جائے گا کہ تمام ممالک خاص طور پر گلوبل ساؤتھ کے ممالک کو مساوی شرکت کے مواقع ملیں۔

مزید اہم بات یہ ہے کہ چینی صدر نے رکن ممالک کی جانب سے ایک نیا ایس سی او ترقیاتی بینک قائم کرنے کے لیے حمایت حاصل کی اور ایس سی او اراکین کے لیے دو ارب رینمنبی کی گرانٹس اور ۱۰؍ارب رینمنبی کے قرضوں کا وعدہ کیا۔ یہ پہلا موقع ہے جب معیشت میں ایس سی او کے کردار کو حقیقی ترقیاتی فنڈنگ سے مدد ملی ہے جس سے اس بات کی عکاسی بھی ہوتی ہے کہ چین عالمی مالیاتی نظام میں زیادہ طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔

سربراہی اجلاس میں جاری ہونے والے تیانجن اعلامیے میں 'ایک زیادہ منصفانہ کثیرقطبی عالمی نظام کی تخلیق' کا مطالبہ کیا گیا۔ امریکا کا براہِ راست نام لیے بغیر، اس اعلامیے نے ان ممالک پر تنقید کی جو 'عالمی مسائل کو محاذ آرائی کے ذریعے حل کرنے' کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں تنہا ایک ملک کی جانب سے دیگر پر دباؤ ڈالنے کے لیے کیے جانے والے اقدامات کو مسترد کیا گیا بشمول اقتصادی اقدامات، جو ٹرمپ کی تجارتی پالیسیوں کی جانب اشارہ تھا۔

اعلامیے میں شنگھائی تعاون تنظیم کے اراکین کے درمیان تجارت بڑھانے کا اعادہ بھی کیا گیا ہے۔ مشترکہ اعلامیے میں 'جون ۲۰۲۵ء میں ایران کے خلاف اسرائیل اور امریکا کے فوجی حملوں کی شدید مذمت کی گئی' اور انہیں 'اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون کی سنگین خلاف ورزی' قرار دیا گیا۔

اس میں اسرائیل۔فلسطین تنازعات اور غزہ میں تباہ کن انسانی صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ فوری جنگ بندی اور مسئلہ فلسطین کے منصفانہ حل پر زور جبکہ سربراہی اجلاس میں یوکرین جنگ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

اس طویل اعلامیے کا ایک بڑا حصہ دہشتگردی کے خلاف لڑنے کے اجتماعی عزم کے لیے وقف تھا۔ یکسوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایس سی او نے پہلگام حملے اور جعفر ایکسپریس پر دہشتگردانہ حملے، دونوں کی مذمت کی لیکن ان ممالک کے نام نہیں لیے گئے کہ جہاں یہ واقعات رونما ہوئے۔ تنظیم کی جانب سے استعمال کی جانے والی ایسی زبان کو یقیناً پاکستان اور بھارت دونوں کی منظوری حاصل تھی۔

سربراہی اجلاس سے پہلے صدر شی جن پنگ اور وزیراعظم نریندر مودی کے درمیان ون آن ون ملاقات جو کہ اس سال کی دوسری ملاقات تھی، نے کافی حد تک عالمی توجہ حاصل کی۔ ملاقات کے بعد دونوں رہنماؤں نے مثبت بیانات دیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰۲۰ء سے انتہائی کشیدہ رہنے کے بعد دونوں ہمسایوں کے تعلقات کی برف پگھل رہی ہے۔

اس سے قبل بھارت نے سرحدی تنازع کے تصفیہ کو تعلقات معمول پر لانے سے مشروط کیا تھا جبکہ چین نے اصرار کیا کہ دوطرفہ تعلقات کو سرحدی مسئلے تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ اب ایسا لگتا ہے کہ بھارت نے چین کے مؤقف سے اتفاق کرنا شروع کر دیا ہے۔

اگست میں سرحدی انتظام کے معاہدے پر پہنچنے کے بعد چین۔بھارت تعلقات میں پہلے ہی بہتری آنا شروع ہو چکی تھی۔ دونوں ممالک کے سربراہان کے درمیان تیانجن ملاقات کو تعلقات معمول پر لانے کی جانب ایک اور قدم کے طور پر دیکھا گیا۔تاہم یہ ابھی تک واضح نہیں ہوسکا ہے کہ آیا یہ ٹرمپ کے غیر دوستانہ سلوک کے جواب میں مودی کا محض عارضی ردِعمل ہے یا یہ ایک گہری تبدیلی کا نقطۂ آغاز ہے۔

چین اور بھارت کے نئے رابطے کے حوالے سے بہت زیادہ مفروضے قائم کرنا غیر دانشمندانہ ہوگا کیونکہ اب بھی دونوں ہمسایوں کے درمیان مشترکہ مفادات سے زیادہ اختلافات ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بھارتی حزب اختلاف نے مودی حکومت کو بھارت کے خلاف امریکا کے موجودہ مؤقف کی وجہ سے خارجہ پالیسی میں اچانک تبدیلی کرنے کے حوالے سے خبردار کیا ہے۔

دوسری اہم دوطرفہ ملاقات جس نے توجہ حاصل کی وہ روسی صدر ولادیمیر پیوٹن اور وزیرِاعظم شہباز شریف کے درمیان تھی۔اس ملاقات میں دونوں ممالک کے تعلقات میں بہتری لانے اور تجارت کو وسعت دینے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پاکستان زیادہ آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کرنا چاہتا ہے۔

وزیرِاعظم پاکستان نے چینی صدر شی جن پنگ اور وزیرِاعظم لی کیانگ سے بھی اہم ملاقاتیں کیں۔ دونوں ممالک نے اپنی اسٹریٹجک شراکت داری کو مضبوط بنانے، پاک۔چین اقتصادی راہداری کے اگلے مرحلے اور اپنے آزاد تجارتی معاہدے کو اَپ گریڈ کرنے کا اعادہ کیا۔

انہوں نے ۲۰۲۵ء سے ۲۰۲۹ء تک تعاون کے منصوبے کی بھی منظوری دی اور ایک درجن سے زائد معاہدوں (ایم او یوز) پر دستخط کیے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکا کے ساتھ پاکستان کے تعلقات میں حالیہ بہتری کے باوجود چین اب بھی پاکستان کا سب سے اہم اسٹریٹجک پارٹنر ہے۔

تیانجن سربراہی اجلاس ایک ایسی دنیا میں جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں کی عکاسی کرتا ہے جو تیزی سے کثیر قطبی ہوتی جارہی ہے اور جس میں ٹرمپ کی پالیسیوں نے کچھ تبدیلیوں کو مزید تیز کیا ہے۔ نئے عالمی نظام کی تشکیل کے لیے غیر مغربی طاقتوں کی کوششیں سب سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہیں۔

"Shifting global dynamics".
(Daily "Dawn" Karachi. Sep. 8, 2025)

سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی کا دَور

Daniah Orkoubi

ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جو مَعاشی اور مُعاشرتی، دونوں ہی اعتبار سے انتہائی اُکھاڑ پچھاڑ کا ہے۔ دنیا بھر کے معاشرے اور معیشتیں نشیب و فراز کے مختلف مراحل سے گزرنے پر مجبور ہیں۔ جدید ترین ٹیکنالوجیز معاملات کو اتنی تیزی سے بدل دیتی ہیں کہ فرد، معاشرہ، حکومتیں--- سبھی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ مالیاتی مارکیٹ کا ڈانوا ڈول ہونا بھی اب عام بات ہے۔ دنیا بھر کی مضبوط حکومتیں بھی مالیاتی عدم توازن کا شکار رہتی ہیں۔ ایسے میں پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کی مشکلات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

معاملات کو ڈیجیٹائز کرنے کا چلن اس قدر ہے کہ اب شاید ہی کوئی شعبہ ہوگا جو ڈیجیٹائز نہ ہوسکا ہو۔ عام آدمی بھی ڈیجیٹل کلچر سے بہت اچھی طرح واقف اور اُس کا عادی ہے۔ بینکنگ، میڈیا، تعلقاتِ عامہ، نظمِ عامہ، شیئر مارکیٹ، سرکاری ادارے، کارپوریٹ سیکٹر اور دیگر تمام شعبہ ہائے مَعیشت و مُعاشرت کو اِس طور ڈیجیٹائز کیا جاچکا ہے کہ اب اِس کے بغیر جینے کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دنیا بھر میں ڈیجیٹل کرنسی کو تیزی سے اپنایا جارہا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے لَین دَین آسان سے آسان تر ہوتا جارہا ہے اور حساب کتاب میں بھی خاصی آسانی رہتی ہے۔ حکومتیں چاہتی ہیں کہ لوگ کاغذی زَر سے چُھٹکارا پائیں اور ڈیجیٹل لین دَین کی طرف آئیں تاکہ فرسودگی کی شکل میں ہونے والے نقصان سے بچا جاسکے۔ ڈیجیٹل کرنسی کو اپنانے یا ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے ذریعے لین دَین کرنے کی صورت میں قومی اور بین الاقوامی مارکیٹ کے بنیادی تقاضوں کو نبھانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

قومی کرنسیوں کے ڈیجیٹل ورژن کو، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی متعین کردہ تعریف کے تحت، سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی (سی بی ڈی سی) کہا جاتا ہے۔ اِسے ریاست کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔سی بی ڈی سی کو محفوظ اور مستحکم سمجھا جاتا ہے اور یہ چونکہ اِس کا نظم ونسق مرکزی سطح پر ہوتا ہے، اِس لیے خامیوں اور خرابیوں کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ ریاستی نظم کے تحت حساب کتاب رکھنے کی صورت میں گھپلوں کی گنجائش بھی زیادہ نہیں رہتی۔

ڈیجیٹل کرنسی اپنے طور پر کام کرنے والا کوئی سُست رفتار انقلاب نہیں بلکہ یہ تو تیزی سے پنپتے ہوئے مالیاتی انقلاب کا تیز رفتار جواب ہے۔ڈیجیٹل کرنسی کو آنا ہی تھا اور وہ آ گئی۔حکومتیں بھی یہی چاہتی ہیں کہ دنیا بھر کے معاملات ڈیجیٹل کرنسی میں طے کیے جائیں۔ایسی صورت میں لین دین بہت اچھی طرح انجام کو پہنچتا ہے۔ریاستی نظم وضبط کی حد سے دُور رہتے ہوئے کام کرنے والی کرپٹو کرنسیز کا ایک مؤثر جواب سی بی ڈی سی کی شکل میں سامنے آیا ہے۔روایتی کاغذی زَر کے لیے کرپٹو کرنسیز بہت بڑے خطرے کے رُوپ میں اُبھری ہیں۔حکومتیں پریشان ہیں کہ اِس نئے دردِسر سے کیونکر نپٹیں۔کرپٹو کرنسیز کے ہاتھوں پیدا ہونے والا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہ کرنسیز روایتی نظامِ زَر کو بائی پاس کرتے ہوئے کسی بھی مُلک کے مَعاشی اور مالیاتی نظام کو عدمِ استحکام سے دَوچار کرسکتی ہیں اور کر رہی ہیں۔ یہ بڑی تبدیلی کسی ملک یا خِطّے تک محدود نہیں۔ سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسیز اب تجرباتی مرحلے میں نہیں بلکہ نظام کا حصّہ بن کر اپنا کردار بخوبی ادا کر رہی ہیں۔

دی اٹلانٹک کونسل نے کئی سال کے اعداد وشمار کا موازنہ کرکے بتایا ہے کہ جولائی ۲۰۲۵ء تک چین، بھارت، نائیجیریا اور برازیل سمیت ایشیا، افریقا، یورپ اور شمالی وجنوبی امریکا کے ۱۳۵ ممالک ڈیجیٹل کرنسی کے شعبے میں تجربے بھی کر رہے ہیں اور اپنے لین دَین کے معاملات کو آسانی سے اور بخوبی نپٹانے میں کامیابی سے ہمکنار ہو رہے ہیں۔۲۰۲۰ء میں ایسے ممالک کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۳۵ تھی۔اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا بھر میں حکومتیں کتنی تیزی سے سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی کی طرف لپک رہی ہیں۔سوال اخراجات گھٹانے کا بھی تو ہے۔ڈیجیٹل کرنسی میں لین دین سے انسانی وسائل کی ضرورت کا گراف گرتا ہے اور متعلقہ اداروں اور شعبوں کے لیے اخراجات گھٹانا قدرے آسان ہو جاتا ہے۔

چین کا قائدانہ کردار

چین نے دوسرے بہت سے معاملات کی طرح ڈیجیٹل کرنسی کے شعبے میں بھی سَبقت حاصل کی ہے۔چین کی ڈیجیٹل کرنسی (دی ڈیجیٹل یوآن) بہت تیزی سے چلن کا حصّہ ہوتا جارہا ہے۔جون ۲۰۲۴ء کے دوران چین کے ۱۷ صوبوں میں ۷ ہزار ارب یوآن (۹۸۶ ارب ڈالر) کا لین دَین ڈیجیٹل

یوآن کے ذریعے ہوا۔ صحتِ عامّہ، سیاحت اور تعلیم کے شعبوں میں ڈیجیٹل کرنسی کا چلن بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ مارچ ۲۰۲۵ء میں بھارت میں ڈیجیٹل روپے میں کم و بیش ۱۰/ارب روپے (۱۲/کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر) کا لین دَین ہوا۔

دُنیا بھر میں مقبولیت

دنیا بھر کی حکومتیں سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسیز کی طرف بہت تیزی سے مائل ہورہی ہیں۔ اِس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اُنہیں بہت مدّت سے کسی ایسے پلیٹ فارم کی تلاش تھی جو متوازی معیشتوں کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والی کرنسیوں یا پے منٹ سسٹم کا نعم البدل ثابت ہوسکے۔ کرپٹو کرنسیز کے ذریعے دنیا بھر کے جرائم پیشہ افراد کالے دَھن کو تیزی سے سفید کرتے ہیں۔ اسمگلنگ اور دیگر بہت سی غیر قانونی سرگرمیوں کو بھی جاری رکھنے کے لیے کرپٹو کرنسیز کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے۔ سی بی ڈی سی کے ذریعے غیر قانونی تجارت کی روک تھام میں بھی بہت حد تک مدد مل سکتی ہے۔ کالے دَھن کو سفید بنانے کے عمل کی راہ میں بھی دیوار کھڑی کی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں سی بی ڈی سیز کی مدد سے محصولات سے بازیافت بھی معقول حد تک بڑھائی جاسکتی ہے۔

سی بی ڈی سیز سے ویسے تو بڑے ملکوں کو بھی غیر معمولی فوائد حاصل ہوئے ہیں تاہم ترقی پذیر ممالک کی معیشتوں کے لیے یہ بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے ذریعے اُنہیں عالمی مالیاتی نظام میں داخل ہونے کا موقع مِلا ہے۔ جو لوگ روایتی یا رسمی مالیاتی نظام پر بہت زیادہ بھروسا نہیں کرسکتے، اُنہیں سی بی ڈی سیز قریب لاتی ہیں، لین دَین بڑھانے میں مدد دیتی ہیں۔ کسی بھی مُلک کے دُور اُفتادہ، دیہی علاقوں کے لوگوں کے لیے ڈیجیٹل کرنسی کا پلیٹ فارم بہت کام کی چیز ہے کیونکہ اُن کے لیے کاروباری معاملات میں لین دین بھی آسان ہو جاتا ہے اور رقوم کی ترسیل بھی مشکلات پیدا نہیں کرتی۔

ایک اچھی مَشق

سی بی ڈی سیز پر بڑھتے ہوئے انحصار کا مطلب یہ ہے کہ اس کرنسی پر اب لوگوں کا اعتماد بڑھتا جارہا ہے۔ بینکوں کو اِس کیفیت سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اُن کے ہاں ڈپازٹس بڑھتی جارہی ہیں اور وہ زیادہ قرضے جاری کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ اِس کے نتیجے میں معیشتی سرگرمیوں میں بھی تیزی آتی ہے اور معاشی یا معیشتی نظام کو مستحکم رکھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

آبادیوں کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں، تنخواہ کی سطح اور خدمات میں پائے جانے والے خَلا کی نشاندہی کرکے سرکاری اخراجات کی اُفادیت کا گراف بھی بلند کیا جاسکتا ہے۔ اِس معاملے میں سی بی ڈی سیز کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

ہر کاروباری لین دین کا میٹا ڈیٹا انفرادی نوعیت کے سَودوں سے منسلک کرکے ریکارڈ کو زیادہ بار آور طریقے سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں حکومت کو ایسے شعبوں اور مقامات کا سراغ لگانے میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے جہاں فنڈز کی شدید کمی پائی جاتی ہو۔ کسی بھی حکومت کو اِس حوالے سے شعبوں کی مجموعی کیفیت اور اعداد و شمار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر معاملات کی کڑی نگرانی ممکن ہی نہیں بلکہ آسان بھی بنالی جائے تو بدعنوانی کے ارتکاب میں خاصی مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ یوں معاملات میں شفافیت بڑھتی ہے۔

راستہ کہیں کہیں دشوار بھی ہے!

بہت سے ممالک کو ڈیجیٹل کرنسی اپنانے میں اب بھی مشکلات کا سامنا ہے۔ اِس کا بنیادی سبب بنیادی ڈھانچے کا نہ ہونا ہے۔ ایک بڑا مسئلہ متواتر رابطہ برقرار رکھنے کا بھی ہے۔ پے منٹ سسٹم کو ہر اعتبار سے محفوظ بنانا بھی لازم ہے۔ بلاک چین ٹیکنالوجی اور مؤثر ڈیٹا سینٹرز کے نہ ہونے سے بھی مشکلات بڑھ رہی ہیں۔ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کو چلانے کے لیے تربیت یافتہ افراد بھی درکار ہوتے ہیں جو متعلقہ ٹیکنالوجیز سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ڈیجیٹل کرنسی اور لین دین کا نظام تیار کرنا بچّوں کا کھیل نہیں۔ اِس کے لیے غیر معمولی ذہانت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انسانی مزاج کی پیچیدگیوں کو بھی ذہن نشین رکھنا لازم ہے۔ دنیا بھر کے کروڑوں، بلکہ اربوں انسانوں کو کاغذی یا روایتی زَر ترک کرکے ڈیجیٹل کرنسی کی طرف لانا آسان کام نہیں۔ یہ معاملہ صرف بنیادی ڈھانچے یا متبادل کرنسی کا نہیں بلکہ انسانی مزاج کی پیچیدگیوں کو سمجھتے ہوئے اُن پر قابو پانے کا بھی ہے۔ اِس کے لیے لازم ہے کہ اعتماد کی فضا پیدا کی جائے، لوگوں کو بتایا جائے، تعلیم دی جائے اور رابطے کے لیے محفوظ اور تیز طریقے اختیار کیے جانے چاہئیں۔

آج کی لازمی ضرورت

اب کسی بھی حکومت کے پاس تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی کو اپنانے کے حوالے سے کوئی بھی فیصلہ بہت تیزی سے کرنا ہے۔ دنیا بھر میں ہر شعبہ ٹیکنالوجیز کی زَد میں ہے۔ مالیات کی دنیا میں بھی ٹیکنالوجیز بہت تیزی سے اپنے وجود کو منوا رہی ہیں۔ سی بی ڈی سی اب کسی بھی مرکزی بینک کی طرف سے مالیات کے شعبے میں ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے کردار کا جواب ہے۔ عوام بھی زیادہ سے زیادہ تیزی اور سہولت چاہتے ہیں۔ مالیات کی دنیا میں دن رات تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔ اِن تبدیلیوں پر نظر رکھنا لازم ہے۔

اگر حکومتوں نے معاملات کو درست کرنے پر توجہ نہ دی اور عام آدمی کے ساتھ ساتھ سرمایہ کاروں کی ضرورت کے مطابق متبادل اور موزوں پلیٹ فارم فراہم نہ کیے تو روایتی بچتیں غیر مستحکم اور غیر منظم کرپٹو اثاثوں میں کھپانے کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کے نتیجے میں معیشتیں غیر مستحکم ہوتی رہیں گی۔

راتوں رات کچھ نہ ہوگا

کسی بھی ملک کو اگر پوری طرح ڈیجیٹل کرنسی کی طرف بڑھنا ہے تو لازم ہے کہ مرحلہ وار آگے بڑھے اور رفتار معقول رکھے۔ معاملات کو نچلی سطح سے شروع کیا جائے تاکہ ہر معاملہ اپنے وقت پر انجام کو پہنچے اور کوئی اُسے سمجھنے میں غلطی نہ کرے۔ روایتی، کاغذی زَر سے ڈیجیٹل کرنسی کی طرف بڑھنے کے معاملے میں رفتار معقول رکھی جائے تو اِس سے عوام کے اعتماد میں اضافہ ہوگا اور وہ اس بڑی تبدیلی کو زیادہ تیزی اور آسانی سے قبول کرسکیں گے۔ یہ سب کچھ راتوں نہیں ہوسکتا اور راتوں رات سب کچھ بدلنے کی کوشش میں سب کچھ پلٹ بھی سکتا ہے۔

جو کچھ مقصود ہے وہ ایسا نہیں کہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکے۔ دنیا کے ہر ملک اور ہر حکومت کو ایک ایسا ڈیجیٹل مستقبل درکار ہے جو محفوظ اور مؤثر ہو اور جس میں تمام ہی معاملات سموئے جاسکیں۔ کاغذی زَر کے دن اب گِنے جاچکے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہم کس قدر جلد اور کس طور اس منزل تک پہنچتے ہیں۔

(مترجم: ابوصباحت)

"The worldwide rush toward central bank digital currencies".
("The Globalist". September 1, 2025)

بقیہ: یورپ کو جنگ میں گھسیٹنے کی کوشش

ہو۔ کچھ کچھ ایسا ہی اٹکا ہوا ذہن امریکی صدر کا بھی ہے جو اپنے دوست روسی ہم منصب سے تعلق کسی بھی صورت ختم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

یورپی کمیشن کی صدر اُرسُلا وان ڈیر لیئن کہتی ہیں کہ روسی حملے روکنے کے لیے ڈرونز کی دیوار بنانے کی ضرورت ہے اور اِس کے لیے یورپی یونین کے تمام ارکان کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اُن کا کہنا ہے کہ پولینڈ اور بالٹک ریاستوں کو ہماری طرف سے بھرپور اظہارِ یکجہتی کی ضرورت ہے۔

(مترجم: محمد ابراہیم خان)

"Putin tries it on with Poland and aims to drag Europe into his war of conquest".
("The Globalist". September 12, 2025)

پارسی جریدے کی موت

Cherylann Mollan

دنیا بھر میں پارسی بہت کم رہ گئے ہیں۔ اِن کی اکثریت ممبئی میں ہے یا پھر کراچی میں۔ بھارت کے دوسرے شہروں میں بھی پارسی رہتے ہیں مگر بہت کم۔ پارسی کمیونٹی کے لیے اپنی شناخت برقرار رکھنا بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ پارسی کمیونٹی کے لوگ چونکہ تعداد میں بہت کم ہیں، اِس لیے وہ دِکھائی بھی کم دیتے ہیں اور اُن کے ادارے بھی برائے نام ہیں۔ اِس وقت پارسیوں کے جتنے بھی ادارے ہیں، وہ شدید کمزوری کی حالت میں ہیں۔ میڈیا میں پارسی کمیونٹی کی نمائندگی برائے نام ہے۔ اوّل تو پارسیوں کے جرائد برائے نام ہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔

بھارت کے تجارتی دارالحکومت کا درجہ رکھنے والے ممبئی کے ایک پُرہجوم علاقے میں واقع خاصی پُرانی عمارت میں پارسی کمیونٹی کے جریدے ''پارسیانا'' کا دفتر ہے۔

''پارسیانا'' ۱۹۶۴ء میں پارسی ڈاکٹر پستونجی وارڈن نے جاری کیا تھا۔ وہ صندل کی لکڑی کے تاجر بھی تھے۔ ''پارسیانا'' کے اجرا کا بنیادی مقصد ممبئی میں پارسی کمیونٹی کی سرگرمیوں کا ریکارڈ رکھنا تھا اور اُس کی آواز کو حکومت اور عوام تک پہنچانا تھا۔ یہ کام اِس جریدے نے بہت عمدگی سے کیا۔

''پارسیانا'' نے سبسکرپشن پر بہت زور دیا تھا۔ پارسی کمیونٹی کے لوگ اس جریدے کے باضابطہ خریدار بنے اور یوں جریدے کی اشاعت میں توسیع ہوتی چلی گئی۔ ماہنامہ ''پارسیانا'' کی وساطت سے پارسیوں کو اپنی کمیونٹی کی سرگرمیوں کے بارے میں معلوم ہوتا رہتا تھا اور دوسروں کو بھی پتا چلتا تھا کہ پارسی کمیونٹی کی کیا حالت ہے، وہ کیا کر رہی ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے پارسیوں کو اِس جریدے نے آپس میں جُڑنے کا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ تیزی سے گھٹتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر پارسیوں کی ایک بڑی نفسیاتی ضرورت یہ تھی کہ اُنہیں ایسا پلیٹ فارم ملے جس کے ذریعے اُنہیں آپس میں جُڑے رہنے کی مسرّت حاصل رہے۔

اب یعنی ۶ عشروں کے بعد سب کچھ بدل گیا ہے۔ ''پارسیانا'' کا سنہرا دور گزر چکا ہے۔ پہلے الیکٹرانک اور اس کے بعد اب ڈیجیٹل میڈیا کی دنیا میں ہونے والی غیر معمولی ترقی نے پرنٹ میڈیا کے لیے مشکلات بڑھا دی ہیں۔ دنیا بھر میں اخبارات اور جرائد کی اشاعت شدید متاثر ہوئی ہیں۔ بہت سے بڑے اخبارات اور جرائد کی اشاعت بند کر کے اُنہیں ڈیجیٹل پلیٹ فارم پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ پرنٹ میڈیا کی دنیا میں دَر آنے والی مشکلات نے ''پارسیانا'' کے لیے بھی بقا کا مسئلہ کھڑا کیا۔ سبسکرائبرز کی گھٹتی ہوئی تعداد اور فنڈز کی کمی نے ''پارسیانا'' کا تسلسل ناممکن بنا دیا ہے۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ''پارسیانا'' کا نظم و نسق سنبھالنے والوں کو جانشین بھی نہیں مل رہے۔ پارسی کمیونٹی کے لیے بُری خبر یہ ہے کہ آئندہ ماہ یعنی اکتوبر میں ''پارسیانا'' کو بند کیا جا رہا ہے۔ اِس بُری خبر نے صرف اِس جریدے کے مستقل خریداروں ہی کو نہیں بلکہ اس کے شاندار ورثے سے باخبر لوگوں کو بھی اُداس کر دیا ہے۔

اٹھارہ سالہ سُشانت سنگھ کا کہنا ہے کہ ''پارسیانا'' کی اشاعت کا بند ہونا گویا ایک عہد کا ختم ہونا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ ایک دَور تھا جب اُسے پارسی نہیں سمجھا جاتا تھا جو ''پارسیانا'' کے بارے میں نہ جانتا ہو۔

اگست کے شمارے کے اداریے میں ''پارسیانا'' کے بند کیے جانے کی اطلاع دی گئی تھی۔ تب سے اب تک جریدے کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ ستمبر کے شمارے میں ممبئی سے تعلق رکھنے والے ایک قاری نے لکھا ہے کہ پارسی کمیونٹی بہت چھوٹی ہے اور اِس کے لوگ بہت بکھرے ہوئے ہیں۔ اِن کی سرگرمیوں کو عمدگی سے پیش کرنا اور پوری کمیونٹی کا معقول ریکارڈ رکھنا بہت بڑا کام تھا اور یہ کام بھرپور جوش و خروش اور کام کرنے کی سچی لگن کے بغیر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ''پارسیانا'' کے پلیٹ فارم نے یہ کام بخوبی کر دکھایا۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک قاری نے لکھا ہے کہ ''پارسیانا'' محض جریدہ نہیں بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے پارسیوں کو جوڑ کر رکھنے والا پُل اور اچھا ساتھی ثابت ہوتا رہا ہے۔ واشنگٹن سے ایک قاری نے لکھا ہے کہ ''پارسیانا'' نے کمیونٹی کے لوگوں کو جوڑ کر ہی نہیں رکھا بلکہ انتہائی اختلافی معاملات میں حقیقت پسندی کا رنگ بھی اُبھارا تاکہ ہم آہنگی کو زیادہ سے زیادہ فروغ مل سکے۔

جہانگیر پٹیل پارسیانا کو ۱۹۷۳ء سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہ اب ۸۰ سال کے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اُنہوں نے ''پارسیانا'' کو ہمیشہ صحافت کے میدان میں ایک بڑی مہم جُوئی سے تعبیر کیا ہے اور اِس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ قارئین کو یہ جریدہ کچھ الگ اور ہٹ کر محسوس ہو۔

پستونجی وارڈن نے جب پارسیانا جاری کیا تھا تب یہ ماہنامہ تھا اور اِس کے ہر شمارے میں یا تو پارسیوں کی تحریریں شائع ہوتی تھیں یا پھر پستونجی وارڈن کی وہ تحریریں جن کا تعلق طِب کے شعبے سے تھا۔ جہانگیر پٹیل نے چارج لینے کے بعد ''پارسیانا'' کو پندرہ روزہ جریدے میں تبدیل کیا۔ اُنہوں نے خاصے منفرد انداز سے دلیرانہ رپورٹنگ کرتے ہوئے جریدے کو نیا رنگ روپ بخشا۔ اُنہوں نے جریدے کی رنگینی بڑھائی اور پارسی کمیونٹی کے حساس معاملات اور مسائل کو بھی پوری دیانت کے ساتھ خاصے ہلکے پھلکے انداز سے پیش کیا۔ یہ انداز لوگوں کو بہت پسند آیا۔

جہانگیر پٹیل اِس جریدے سے عشق کرتے تھے۔ وہ اِس کا تسلسل بھی چاہتے تھے، اِس لیے انہوں نے نوجوانوں کو بھرتی کیا اور اُن کی تربیت کی۔ سبسکرپشن کا ایک نیا ماڈل متعارف کرایا۔ اُن سے پہلے یہ جریدہ بلیک اینڈ وائٹ تھا، اُنہوں نے اِسے رنگین بنایا۔

جہانگیر پٹیل کو یاد ہے کہ اُنہوں نے ''پارسیانا'' کے مینیجنگ ایڈیٹر کا چارج لینے کے بعد پہلی اسٹوری پارسی کمیونٹی میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح سے متعلق تھی۔ یہ اسٹوری بہت پسند کی گئی۔ کسی کو توقع نہ تھی کہ ایک متنازع فیہ موضوع پر خاصی بولڈ اسٹوری شامل کی جائے گی۔ فیڈ بیک میں کہا گیا کہ ایسی اسٹوریز ہر شمارے میں ہونی چاہیے تاکہ کمیونٹی میں پائی جانے والی سوچ اور رجحانات کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔ لوگوں کو چونکہ یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ ایسی کوئی اسٹوری ''پارسیانا'' میں شائع ہوسکتی ہے، اِس لیے اُنہوں نے کہا کہ ایسی مزید اسٹوریز کی ضرورت ہے تاکہ بات کُھل کر کہنے کا ماحول پیدا ہو۔

پارسی کمیونٹی کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ اِس کے لوگ دوسری کمیونٹیز میں شادی نہیں کرتے۔ دُنیا بھر میں ایسی اور بھی کمیونٹیز پائی جاتی ہیں جو اپنے سے باہر شادی کی قائل نہیں مگر پارسی اِس معاملے میں بہت زیادہ ''ساکت و جامد'' ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں ''پارسیانا'' نے دوسرے مذاہب اور نسلی برادریوں میں شادی سے متعلق اشتہارات کی اشاعت کا آغاز کیا۔ یہ بہت بڑا اور خاصا بے باک قدم تھا۔ ''پارسیانا'' میں انٹرفیتھ یعنی بین المذاہب شادیوں کے اشتہارات کی اشاعت سے کھلبلی سی مچ گئی۔ کمیونٹی کے بڑوں نے اس پر سخت اعتراض کیا۔ جہانگیر پٹیل خاصے وسیع النظر واقع ہوئے ہیں۔

اُنہوں نے اپنی کمیونٹی پر واضح کر دیا کہ وہ نئی دنیا میں جی رہے ہیں، اِس لیے پُرانے طور طریقوں کے مطابق جینے کو کسی بھی حال میں ترجیح نہیں دے سکتے۔ انہوں نے ''پارسیانا'' میں بین المذاہب شادی کے اشتہار نہ شائع کرنے سے معذرت کر لی۔

جہانگیر پٹیل کہتے ہیں کہ ''پارسیانا'' نے کبھی تنازعات کے سامنے وہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جو بلّی کو سامنے پا کر کبوتر اختیار کیا کرتے ہیں۔ ''پارسیانا'' نے تمام متنازع معاملات پر الگ الگ تناظر پیش کیا تا کہ قارئین کی حقیقی راہنمائی ہو سکے۔ پارسی کمیونٹی میں پیدا ہونے والے بحرانوں اور پیچیدگیوں کے حوالے سے ''پارسیانا'' نے ہمیشہ خاصی ہمّت دکھاتے ہوئے ہر وہ بات کہی جس کا شدید ردِعمل ہو سکتا تھا۔

''پارسیانا'' نے ہمیشہ کمیونٹی کی کامیابیوں، اہم سماجی اور مذہبی تقریبات اور مواقع اور نئے پارسی اداروں کا ریکارڈ رکھا اور پیش کیا۔ مئی ۲۰۲۵ء میں ''پارسیانا'' نے ممبئی میں قائم کیے جانے والے الپائی والا میوزیم کی افتتاحی تقریب کی بھی کوریج کی۔ یہ دنیا بھر میں پارسیوں سے متعلق واحد میوزیم ہے۔

''پارسیانا'' کی ٹیم ۱۵/افراد پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ عمر کی ساٹھویں اور ستّرویں دہائی میں ہیں۔ ''پارسیانا'' کی بندش کا مطلب ہے اِن سب کے صحافتی کیریئر کا بھی خاتمہ۔ جہانگیر پٹیل کا کہنا ہے کہ ''پارسیانا'' کی بندش کے موقع پر دُکھ اور شدید تھکن ساتھ ساتھ ہیں۔ ہم نے ایک طویل مدت سے اِن دونوں کیفیتوں کا پامردی سے سامنا کیا ہے۔

''پارسیانا'' کا دفتر بھی، جو پُرانے شماروں کی فائلوں سے بھرا ہوا ہے، شدید تھکن کا اظہار کرتا ہے۔ دفتر کی چھت انتہائی کمزور ہو چکی ہے، رنگ بالکل ماند پڑ چکا ہے۔ پورا دفتر پھیکا پھیکا دکھائی دیتا ہے۔ یہ دفتر جن کمروں میں واقع ہے، وہاں پہلے اسپتال ہوا کرتا تھا۔ یہ عمارت ایک مدّت سے خالی پڑی تھی۔ جہانگیر پٹیل کا کہنا ہے کہ ''پارسیانا'' کی ٹیم نے اپنے آخری دن کے لیے کوئی خاص پروگرام تیار نہیں کیا ہے۔ اکتوبر کے یعنی آخری شمارے میں ''پارسیانا'' کے طویل سفر اور ورثے کے بارے میں مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اِس موقع پر ''پارسیانا'' کے عملے کو ظہرانہ دیا جائے گا۔ کوئی کیک کاٹا جائے گا اور نہ ہی کسی اور انداز کی سیلیبریشن ہوگی۔ جہانگیر پٹیل کا کہنا ہے کہ یہ غم کا لمحہ ہے، ایسے میں کس بات کو اور کیسے سیلیبریٹ کیا جائے؟ (مترجم: محمد ابراہیم خان)

"India's iconic Parsi magazine to shut after 60 years". ("bbc.com". Sep 6, 2025)

بقیہ: قطر پر اسرائیلی حملہ

ایک فیصلہ کن لمحہ

اب وسیع تر عرب خطّے کو سخت سوالات کا سامنا ہے۔ کیا ان ممالک کی جانب سے کوئی اجتماعی ردِعمل سامنے آئے گا جو یہ حقیقت تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ براہِ راست ''گریٹر اسرائیل'' کے منصوبے کی راہ میں ہیں؟ کیا عرب ریاستیں اسرائیل سے تعلقات منقطع کرنے اور واشنگٹن پر دباؤ ڈالنے کے لیے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کرنے پر غور کریں گی تاکہ کوئی تبدیلی لائی جا سکے؟

کیا یہ بھی ممکن ہے کہ عرب ریاستیں ایک ایسا اتحاد تشکیل دیں جو فوجی طور پر اسرائیل کو للکار سکے؟ یا پھر وہ اسی بے عملی کے ساتھ ردِّعمل دیں گی جو طویل عرصے سے اُن کے رویے کی پہچان ہے؟ کچھ ریاستیں کھلے طور پر یا خفیہ طور پر اس حملے کا خیر مقدم بھی کر سکتی ہیں، یہ سوچ کر کہ اس سے انہیں سکیورٹی مل گئی ہے۔ متحدہ عرب امارات، جسے اکثر ''اسرائیل کا مضافاتی علاقہ'' کہا جاتا ہے، یہ سمجھتا ہوگا کہ وہ محفوظ ہے۔۔۔ مگر یہ ایک سنگین غلط فہمی ہے۔

قطر پر حملے نے ثابت کر دیا کہ پُرانے اتحاد، سفارت کاری یا امریکی تحفظ، کسی عرب ملک کو اسرائیل کی تشدد پسندی سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اگر اسرائیل کو روکا نہ گیا تو خطے کے ہر ملک کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ممکنہ ہدف ہے۔

فی الحال سوالات کے مقابلے میں جوابات کم ہیں۔ مگر ایک سچ واضح ہے کہ جب تک کوئی اسے روکے گا نہیں اسرائیل خود رُکنے والا نہیں۔ (مترجم: ابن فاروق)

"Israel's attack on Qatar should be a wake-up call for the Arab world ("middleeasteye.net" September 9, 2025)

بقیہ: پاک سعودی دفاعی معاہدہ

جب گراہم نے سعودی ایٹم بم کے امکان پر تشویش ظاہر کی تو ووڈورڈ نے لکھا کہ محمد بن سلمان نے جواب دیا کہ 'مجھے بم بنانے کے لیے یورینیم کی ضرورت نہیں، میں تو بس پاکستان سے خرید لوں گا'۔ تاہم تجزیہ کار سحر خان نے کہا کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان ہونے والے معاہدے کی حدود کے حوالے سے کچھ چیزیں ابھی واضح نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ بات نوٹ کرنا اہم ہے کہ اگرچہ پاکستان نے اس سے پہلے بھی دفاعی معاہدے کیے ہیں، لیکن ان میں سے کسی نے نہ تو جوہری ضمانت فراہم کی اور نہ ہی کسی قسم کی 'ایٹمی ڈھال' تشکیل دی۔ اس معاہدے میں بھی ایسی کسی ایٹمی ڈھال یا کسی وسیع تر مزاحمتی ڈھانچے کی کوئی شق شامل نہیں ہے'۔

اسفند یار میر نے خبردار کیا کہ مضبوط اتحاد بھی خطرات سے خالی نہیں ہوتے، انہوں نے کہا کہ 'یہ معاہدہ ایک نئی اتحادی سیاست کو جنم دے گا کہ یہ کن امور کا احاطہ کرتا ہے اور کن کا نہیں، اس میں ڈیٹرینس، وسائل کی فراہمی اور عملی تفصیلات جیسے پہلو شامل ہوں گے۔' تاہم انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے اس معاہدے کی سیاسی اہمیت کم نہیں ہوتی اور 'یہ دونوں ممالک کے لیے ایک بڑی پیش رفت ہے'۔

محمد فیصل نے بھی اس بات سے اتفاق کیا اور نشاندہی کی کہ اگرچہ اس معاہدے میں ایک ملک پر حملے کو دونوں پر حملہ قرار دینے کا ذکر ہے لیکن فی الحال یہ زیادہ تر ایک سیاسی بیان معلوم ہوتا ہے نہ کہ ایک باقاعدہ اتحاد یا مشترکہ دفاعی عہد۔

انہوں نے کہا کہ اس کے باوجود دونوں فریقین کے درمیان سیاسی اور دفاعی تعاون مزید گہرا ہوگا اور دونوں ممالک کی عسکری صلاحیتوں کو مضبوط کرے گا'۔ (مترجم: ابن فاروق)

"'Watershed': How Saudi-Pakistan defence pact reshapes region's geopolitics". ("Aljazeera". September 18, 2025)

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی شائع کردہ مطبوعات

القدس: پس منظر اور صہیونی عزائم
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
قیمت: ۶۰ روپے

دُھندلاتے عکس، مٹتی یادیں
(Alzheimer's Disease)
فوزیہ عباس
قیمت: ۲۵۰ روپے

اکیڈمی بک سینٹر۔ D-35، بلاک-5، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: 021-36368020

یورپ کو جنگ میں گھسیٹنے کی کوشش

Denis MacShane

رُوس نے ڈھائی سَو سال میں کئی بار پولینڈ پر حملے کیے ہیں اور بیشتر مواقع پر منہ کی کھائی ہے۔ استعماری دَور ہو یا اشتراکی، رُوس نے پولینڈ کے حصّے بَخرے کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ اِن ڈھائی صدیوں کے دوران پولینڈ تین حصّوں میں تقسیم ہوا ہے اور پولینڈ کا اچھا خاصا رقبہ روس کی طرف جھکاؤ رکھنے والا ہو چکا ہے۔ پولینڈ کے فوجی کہتے رہے ہیں کہ ہم جرمنز سے اِس لیے لڑتے ہیں کہ اُنہیں مارنا ہمارا فرض ہے مگر روسی فوجیوں سے لڑنا، اُنہیں منہ توڑ جواب دینا ہمارے لیے موجبِ مسرّت ہے۔

مذموم روسی روایات

ایک زمانے سے روسی قائدین کے لیے محفوظ ترین سرحد وہ رہی ہے جس کے دونوں طرف روسی رہتے ہوں۔ پھر چاہے قوم کوئی بھی ہو۔ روس اگرچہ ایک پورے برِّاعظم کے برابر بلکہ اُس سے بھی بڑا ہے مگر پھر بھی اُس کے لیے لڑنا کبھی آسان کام نہیں رہا۔ اِس وقت روسی صدر ولادیمیر پیوٹن پولینڈ سے کھلواڑ کرکے دراصل پورے یورپ کو پریشان کر رہے ہیں، لڑائی پر اُکسا رہے ہیں۔ صدر پیوٹن چاہتے ہیں کہ یوکرین تک محدود رہنے والی جنگ آگے بڑھے، یورپ میں پھیلے۔

جرمنی میں سوشل ڈیموکریٹس ویسے بھی کسی بھی روسی اقدام کو للکارنے سے گُریزاں ہی رہتے ہیں۔ اِس لیے اُمید کی جانی چاہیے کہ وہ یوکرین جنگ کے حوالے سے اور یورپ کو جنگ میں گھسیٹنے کی صدر پیوٹن کی کوشش کو بَرملا تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز ہی کریں گے۔ وہ چونکہ حکومت کا حصہ بھی ہیں، اِس لیے اب اُن سے یہ توقع وابستہ نہیں کی جاسکتی کہ وہ غلط کو غلط کہنے کی ہمّت اپنے اندر پیدا کر پائیں گے۔

اِس وقت روسی صدر کی بھرپور کوشش یہ ہے کہ یورپ کو کسی نہ کسی طور گھیر کر میدانِ جنگ تک لایا جائے اور ایسا اُلجھا دیا جائے کہ پھر اُس کا نکلنا ممکن نہ رہے۔

جب دنیا قطر میں حماس کی قیادت پر اسرائیل کے حملے کے معاملات میں اُلجھی ہوئی تھی تب صدر پیوٹن نے پولینڈ کی فضائی دفاع کی صلاحیت کو آزمانے کا سوچا اور جو کچھ اُنہوں نے دیکھا، اُس پر اُنہیں بہت حیرت ہوئی۔ یورپ تیار تھا۔ اطالوی اور وَلندیزی ایف-۳۵ طیاروں نے روسی ڈرونز کو مار گرانے کے حوالے سے بھرپور تیاری دِکھائی۔ جرمن پیٹریاٹ میزائل اور نگرانی کے معقول نظام کے علاوہ پرواز کے دوران لڑاکا طیاروں کو ایندھن فراہم کرنے کی صلاحیت نے بتادیا کہ یورپ اپنے دفاع کے لیے اچھا خاصا تیار ہے۔

یہ معاملہ برطانیہ کے لیے زیادہ پریشان یا خطرناک نہ تھا مگر وہ بھی تیار دکھائی دیا۔ صدر پیوٹن چاہتے ہیں کہ اگر اُنہیں یوکرین میں کسی نہ کسی طور جیتنے کا موقع دیا جائے تو اہلِ یورپ کی اکثریت اُن کے منصوبوں کے بارے میں شُکوک کا اظہار نہ کرے۔ اگر روس کی فوج یوکرین کی فوج کو زیر کرنے میں کامیاب رہتی ہے تو بالٹک ریاستوں اور پولینڈ کی باری بھی آسکتی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ صدر پیوٹن واک اوور کی ضمانت نہیں دے سکتے۔

بیلا روس کو استعمال کرنے کی کوشش

اب سوال یہ ہے کہ صدر پیوٹن پولینڈ کی فضاؤں میں ہونے والی جھڑپوں سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ پولینڈ اب بیلا روس سے ملنے والی سرحدیں بند کر رہا ہے۔ بیلا روس کو اَب بہت حد تک روس کے بچّے کی حیثیت حاصل ہے۔ وہاں سے روس پولینڈ پر زیادہ آسانی سے حملہ کرسکتا ہے۔ پولینڈ کی قیادت جانتی ہے کہ بیلا روس سے ملنے والی سرحد بند نہ کی گئی تو معاملات بہت زیادہ خرابی کی طرف چلے جائیں گے۔ یاد رہے کہ روس اور بیلا روس ستمبر کے اواخر میں زمینی جنگ کی سب سے بڑی مشقیں زیپڈ کرنے والے ہیں۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاملات کس حد تک بگڑے ہوئے ہیں اور خطّے کی تزویراتی کہانی میں کسی بھی وقت کوئی بڑا یا نازک موڑ آسکتا ہے۔

پولینڈ کے وزیرِ خارجہ اور سابق وزیرِ دفاع رادیک سِکورسکی آکسفرڈ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ پولینڈ کی قیادت کسی بھی صورتحال کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہے۔ کسی بھی وقت روس کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پر جارحیّت کا سامنا ہوسکتا ہے۔ اِس کے لیے تمام تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں۔

روس اور بیلا روس کی زمینی مشقوں پر خطّے کے تمام ممالک کی نظر ہے۔ روسی صدر ولادیمیر پیوٹن چاہتے ہیں کہ معاملات یوکرین تک محدود نہ رہیں بلکہ علاقائی سطح پر جنگ پھیلے اور معاملات کسی بھی ملک کے ہاتھ میں نہ رہیں۔ مغربی یورپ کو جنگ کی بھٹّی میں جھونکنے کے حوالے سے پیوٹن بہت بے تاب دِکھائی دیتے ہیں۔ معاملہ یہ ہے کہ مغربی یورپ نے کئی عشروں تک دُنیا بھر میں خرابیاں پیدا کی ہیں۔ افغانستان کو بنیاد بناکر امریکا کے ساتھ یورپ نے بھی پورے وسطِ ایشیا کو غیر مستحکم رکھا ہے اور اب بھی وہ افریقا سمیت کئی خطّوں کو خرابیوں سے دوچار کیے ہوئے ہے۔ یہ بات بھی اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ روسی صدر یورپ کے رہنماؤں میں فرانس کے صدر میکرون، برطانوی وزیرِاعظم کیئر اسٹارمر اور جرمن چانسلر فریڈرک مرز سے نفرت کرتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی طور اُن کے ملکوں کو جنگ کی بھٹّی میں جھونکنا چاہتے ہیں۔ سِکورسکی کہتے ہیں کہ جارجیا پر حملے سے قبل بھی روس نے مشقیں کی تھیں۔ یوکرین پر حملے سے قبل بھی مشقیں کی گئی تھیں۔ اب روسی صدر سے شاید برداشت نہیں ہو پارہا اور وہ معاہدۂ شمالی بحرِاوقیانوس کی تنظیم نیٹو کے ارکان پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے حوالے سے بھی مشقیں کر رہے ہیں۔

پولینڈ دَم سادھے اِس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ امریکی صدر کچھ ایسا کریں کہ معاملات دُرستی کی طرف جائیں۔ اِس بات کا ویسے اِمکان خاصا مخدوش ہے کہ کسی بھی مستحکم ورلڈ آرڈر کے لیے پیوٹن کو ایک بڑا خطرہ سمجھنے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکی صدر چند یورپی جمہوریتوں کے ساتھ مِل کر کھڑے ہوں گے۔ صدر ٹرمپ اب تک بیشتر معاملات میں روسی ہم منصب سے فکری یا نظریاتی ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔

پولینڈ کی اندرونی سیاست بھی اُلجھی ہوئی ہے۔ پولینڈ کے صدر کیرول نوروکی انتہائی دائیں بازو کے قوم پرست ہیں جو اِس بات کے حق میں زیادہ نہیں ہیں کہ پولینڈ کو یورپی یونین کا حصّہ ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں ہے کہ اُن کا جھکاؤ روس کی طرف ہے کیونکہ اُنہوں نے بھی یوکرین پر روس کی لشکر کشی کی مذمت کرنے میں بُخل سے کام نہیں لیا ہے۔ ہاں، اِس بات کا زیادہ اِمکان نہیں ہے کہ وہ روس کے خلاف یوکرین کے ہاتھ مضبوط کریں گے، اُسے ہتھیار یا فنڈز فراہم کریں گے۔ وہ اِس بات کو کسی طور پسند نہیں کریں گے کہ یوکرین جنگ کو روسی حدود میں زیادہ آگے لے جانے میں پولینڈ کا کوئی بڑا کردار

\\\\\\ باقی صفحہ نمبر ۱۳ //////

MA'ARIF FEATURE - Publisher:Shahid Hashmi; Printer:Hassan M.Abbasi,City Press,Karachi; Office:D-35,Block-5,F.B.Area,Karachi-75950